طرزِ رہائش

الگ یا مشترک

0321-4609092

طرزِ رہائش الگ یا مشترکہ

اُمّ عبدِ منیب

مشربۂ علم و حکمت

ندیم ٹاؤن ڈاکخانہ اعوان ٹاؤن لاہور

0321-4609092

طرز رہائش الگ یا مشترکہ

اہتمام ———— محمد عبد منیب

ناشر ———— مشربہ علم وحکمت

قیمت ———— 55:00

ناشر: مشربہ علم وحکمت
0321-4609092
0300-4270553
کامران پارک زینبیہ کالونی نزد منصورہ ملتان روڈ لاہور

ڈسٹری بیوٹر دار الکتب السلفیۃ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور
Ph.: 042-37361505-37008768
Cell: 0333-4334804

البلاغ

لاہور
لوئر گراؤنڈ لینڈ مارک پلازہ جیل روڈ لاہور
042-35717842-3,0300-8880450
6GL نیو لبرٹی ٹاور بالمقابل چیس ماڈل ٹاؤن لنک روڈ لاہور
042-35942233,35942277,0300-6112240

اسلام آباد
شالیمار سینٹر F-8 مرکز اسلام آباد
051-2281420,0300-5205050
ملتان پلازہ سواں روڈ G-10 مرکز اسلام آباد
051-2224146-7,0300-5205060

فہرست

ہندوانہ طرزِ رہائش

ہندو تہذیب میں نسل در نسل ایک ہی گھر میں رہنے کی روایت ہے۔ ان کے مذہب میں عورت کا پردہ ہے نہ ستر بلکہ وہ گائے بھینس کی طرح ایک ملکیتی چیز ہے۔ اپنے جیٹھ اور سسر سے وہ گھونگھٹ احتراماً نکالتی ہے۔ رہے سسرال کے دیگر مرد یا والدین کی طرف سے رشتہ دار تو ہندو مذہب کے مطابق ان سے پردہ نہیں ہے۔

ہندو زبان کے مطابق دیور اصل میں ''دے بر'' یعنی دوسرا خاوند ہے۔ عورت جب بیاہ کر لائی جاتی ہے تو دیور کو بھابھی کی گود میں بٹھایا جاتا ہے، چاہے وہ پورا نوجوان ہی کیوں نہ ہو دیور کا بھابھی سے مذاق کرنا اور بھابھی کا دیور سے مذاق کرنا بھی ان کے ہاں عام ہے۔

شوہر کے سگے بھائی، شوہر کے رشتے کے بھائی اور دوست بھی دیور ہی سمجھے جاتے ہیں۔ دیور اپنی بھابھی سے تنہائی میں بھی مل سکتے ہیں۔ اگر شوہر کی اپنی اولاد نہ ہوسکے تو وہ بیوی کو اجازت دیتا ہے کہ دیور سے اولاد حاصل کرلے۔

بعض ہندو گھرانوں میں صرف ایک بھائی کی شادی کی جاتی ہے اور اس کی

بیوی سے باقی سب بھائی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہندو شودروں اور جاٹوں میں ایسی شادیاں عام ہیں جنہیں ''کثیر شوہری'' شادی کا نام دیا جاتا ہے۔

ہندوؤں میں جنسی اعضاء کی پوجا کرنا بھی عام ہے۔ ہندوؤں کی عورتیں دوسرے کے سامنے کپڑے بھی اتار لیتی ہیں اور نہا بھی لیتی ہیں۔ یہی حال مردوں کا ہے۔

ہندوؤں کے ہاں جب والدین کسی کو بیٹی بیاہ کر دیتے ہیں تو اس پر سے والدین کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اسے پرایا دھن کہا جاتا ہے۔ عورت شادی کے بعد مرد کی لونڈی سمجھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندومت میں شوہر کا کام اس سے حقِ زوجیت وصول کرنا ہے، رہی خدمت واطاعت تو یہ بیوی پر شوہر کے علاوہ ساس سسر، نند، جیٹھ، دیور غرض تمام سسرالی رشتہ داروں کی واجب ہوتی ہے۔

ہندومت میں عورت کا اپنا کوئی گھر نہیں ہوتا بلکہ سسرال کے گھر ہی میں وہ اپنی زندگی کے دن پورے کرتی ہے۔ اسے سسرال کی کسی چیز پر بھی تصرف کی اجازت نہیں ہوتی، اسی لیے ماں باپ اسے اس قدر جہیز دیتے ہیں کہ اسے ساری عمر شوہر یا سسرال سے کوئی چیز مانگنی نہ پڑے۔ بیٹی کے مرنے پر کفن دفن کا خرچ بھی والدین ہی برداشت کرتے ہیں۔

اسلام میں عورت نکاح سے پہلے بھی اور نکاح کے بعد بھی آزادانہ حیثیت کی

مالک ہوتی ہے، اسے اپنے متعلقہ امور میں ایک حد تک آزادی حاصل ہوتی ہے البتہ معاشرتی تحفظ اور عفت وعصمت کے تحفظ کی وجہ سے بعض امور میں اسے مردوں کے ماتحت رکھا گیا ہے مثلاً کنواری کے نکاح میں ولی کی رضامندی، مطلقہ یا بیوہ کے نکاح میں ولی کی شمولیت، سفر میں محرم کی معیت وغیرہ۔

اسلام میں عورت کو جہیز نہیں دیا جاتا بلکہ مرد اس کو پورے اعزاز وتکریم کے ساتھ ''مہر'' پیش کر کے اپنے گھر لاتا ہے۔ بیوی کی آمد کی خوشی میں ولیمہ کی دعوت کرتا اور اپنا الگ گھر بساتا ہے۔ گھر میں ضرورت کی ہر چیز خود مہیا کرتا ہے، بیوی کو اس گھر میں ربۃ البیت (گھر کی مالکن) کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ جس میں شوہر کا کوئی رشتہ دار ماں، بہن، بھائی، بھابھی وغیرہ کا عمل دخل نہیں ہوتا۔

بھابھی کا لفظ بھی ہندو معاشرے ہی میں رائج ہے۔ عربی زبان میں بھائی کی بیوی کے لیے کوئی مخصوص لفظ نہیں۔ اسلامی شریعت کے مطابق عورت کا نامحرم مردوں سے سوائے ضرورت کے گفتگو کرنا بھی مستحسن نہیں جب کہ تنہائی میں ملنا یا خواب گاہ میں داخل ہونا قابلِ حد جرم ہے۔ اسلام شوہر کے تمام رشتہ داروں کو عورت کے لیے موت قرار دیتا ہے، سوائے شوہر کے سگے باپ، سگے نانا اور سگے دادا کے۔

مشترکہ رہائش صرف ہندو معاشرے کی روایت ہے۔ اسلام میں اور اسلام

جس عرب معاشرے میں آیا وہاں اس کا کوئی تصور نہیں ہے۔

پاک و ہند کے مسلمانوں کو مشترکہ رہائش کی روایت وراثت میں ملی اور مسلمان ہونے کے ناطے کبھی بھی انہوں نے اس طرزِ رہائش پر نہ تو غور کیا اور نہ اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی البتہ مشترکہ رہائش کو برقرار رکھنے کے لیے ستر و حجاب کے احکام ترک کر دیئے گئے، بیوی کو سمیت حق سکنیٰ کے کئی حقوق سے محروم کر دیا گیا ۔گھروں میں باہم بدگمانی، غیبت، آئے روز جھگڑے ان سب کو مشترکہ رہائش کے مقابلے میں نظر انداز کر دیا گیا۔ نتیجہ یہ کہ معاشرہ ان معاشرتی گناہوں کا اس قدر عادی ہو گیا کہ انہیں گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا۔

ایک مدت تک مشترکہ رہائش کی خرابیاں برداشت کی جاتی رہیں ۔اب جب کہ دنیا سمٹ چکی ہے۔ وسائلِ زندگی عام ہو گئے ہیں، ہمارا معاشرہ مغرب کی طرح دوسری انتہا تک جانے کے لیے پر تول رہا ہے۔ بچے شادی ہوتے ہی کہیں دور جا بستے ہیں۔ بیٹے لاکھوں کی کمائی کرتے ہیں لیکن والدین دوسروں کے رحم و کرم پر ہیں۔ اگر والدین کو اپنے پاس رکھ بھی لیں تو انہیں کسی کونے کھدرے یا چھت پر کوئی کمرہ دے دیتے ہیں۔ بوڑھے الدین کو یہ اجازت نہیں ہوتی کہ وہ پورے گھر میں آ جا سکیں۔

اسلام کے احکام میں اعتدال، سکون اور اخلاص ہے مزید آخرت کے اجر کی

بشارت بھی۔

ہمارے دیہاتی معاشرے میں مشترکہ رہائش کی وجہ سے عورتوں کا دل پسند مشغلہ ساس بہو، نند بھابھی، دیورانی جیٹھانی کا باہم شکوہ، لگائی بجھائی اور بدگمانیاں ہے، جب کہ شہروں کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں۔ دیندار، شریف اور مہذب گھرانوں میں بھی مہذبانہ اور محتاط انداز میں اسی قسم کے مسائل سننے میں آئے۔

الگ رہائش اسلامی تہذیب کے مزاج کے زیادہ موافق ہے۔ یہی جائزہ لینے کے لیے یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح شعور و فہم عطا کرے۔ آمین!

ام عبد منیب

رمضان المبارک: ۱۴۳۲

فطری ضرورت اور بنیادی حق

اپنا گھر ہر انسان کا بنیادی حق:

ہر بالغ انسان کی یہ فطری ضرورت ہے کہ وہ ایک خودمختار زندگی گزارے، اس کے نظام الاوقات، ذریعہ معاش، اخراجات، نکاح، اولاد کی تربیت، مذہبی امور سب میں اسے آزادی حاصل ہو اور وہ اپنی مرضی سے اپنی راہیں طے کر سکے۔

اسی لیے ہر بالغ فرد کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اس کے پاس اپنا گھر ہو جس میں وہ پورے تحفظ اور اطمینان کے ساتھ رہ سکے، اپنی ضروری چیزیں اس میں رکھ سکے اور دوسروں کی نظروں سے اوجھل رکھے جانے والے امور کو اوجھل رکھ سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ابنِ آدم کے لیے ان چیزوں کے علاوہ کس چیز میں حق نہیں، تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا، بغیر سالن روٹی اور پانی، سر چھپانے کے لیے مکان۔"

(سنن ترمذی، ح:۲۳۴۱)

گھر اس قدر اہم اور بنیادی ضرورت ہے کہ دورِ قدیم اور دورِ جدید کے تمام معاشروں اور تمام نظام ہائے زندگی میں ہر فرد کے لیے مکان کی فراہمی کو اوّلین ترجیح دی گئی ہے سوائے ہندو مت کے روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ تقریباً ہر دور

طلب کرنے والی سیاسی جماعت لگاتی ہے۔ روس اور چین میں روٹی، کپڑا اور مکان ہی کے پُر فریب نعرے کی بنیاد پر کمیونزم اور ماؤازم نے اپنی بساط نصف صدی تک بچھائے رکھی۔

گھر کی ضرورت کس عمر میں؟

یتیم کے سرپرستوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ. (النساء:٦)

"اور یتیموں کو (کام کاج میں مصروف رکھ کر) آزماتے رہو حتّٰی کہ نکاح کی عمر (جوانی) تک پہنچ جائیں، پھر اگر ان میں سوجھ بوجھ دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔"

اس آیت میں نکاح سے مراد جوانی ہے اور رشد سے مراد یہ ہے کہ بچوں کو یہ سمجھ آ جائے کہ کن جگہوں پر مال خرچ کرنا جائز ہے اور کن جگہوں پر مال خرچ کرنا حرام ہے۔

اس آیت سے یہ حکم بھی ملتا ہے کہ بچوں کے جوان ہونے پر نکاح کر کے ان کا گھر آباد کر دینا چاہیے۔ بیوی کے حقِ سکنٰی (مکان کا حق) نے اس مسئلے کو مزید واضح کر دیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: بیوی کا حقِ سکنٰی [گھر])

الگ گھر اسلام کا معاشرتی مزاج

اسلام کے کئی احکام ایسے ہیں جن سے مشترکہ رہائش کی بجائے الگ الگ رہائش ہی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ آئندہ سطور میں ان کا ذکر کیا جائے گا۔

امہات المومنین کے الگ الگ گھر:

اللہ تعالیٰ نے امہات المومنین سے فرمایا:

وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ . اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔(الاحزاب:۳۳)

اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ امہات المومنین کی رہائش الگ الگ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب:۳۴ میں ان گھروں کا ذکر بیوت النبی کہہ کر بھی فرمایا، کیوں کہ بیوی اور شوہر کا گھر ایک ہی ہوتا ہے لیکن ایک بیوی کا گھر دوسری بیوی کا گھر نہیں ہوتا اس لیے بیویوں کے لیے الگ الگ گھر کا ذکر کیا۔

امہات المومنین کے گھروں کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ احادیث میں ملتا ہے۔ یہ گھر کیسے تھے؟ کتنے بڑے تھے؟ کس چیز کے بنے ہوئے تھے، ان کی ترتیب کیا تھی اور کس کس وقت بنائے گئے وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ نے دو بیویوں کو ایک گھر میں رکھنا پسند نہیں کیا یہ بات بھی نہیں کہ آپ ﷺ کے وسائل زیادہ تھے، یا آپ ﷺ کو بیویوں کو دنیوی لحاظ سے خوش حال دیکھنا چاہتے تھے بلکہ خود قرآن حکیم ہی سے یہ ملتا ہے کہ جب بیویوں نے آپؐ سے دنیوی مال کا مطالبہ کیا تو حکم نازل ہوا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا . وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا. (الاحزاب:۲۸۔۲۹)

''اے نبی ﷺ ان سے کہو: اگر تمہاری مراد دنیا کی زندگی اور زینت ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں اور تمہیں اچھائی کی ساتھ چھوڑ دوں اور اگر تمہاری مراد اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا گھر ہے تو یقین مانو کہ تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے اللہ نے بہت زبردست اجر رکھ چھوڑے ہیں''۔

اگر بیوی کو شرعاً الگ گھر کا حق حاصل نہ ہوتا تو آپؐ اپنی بیویوں کو ایک ہی گھر میں رکھتے۔

بیویوں میں باری مقرر کرنا:

ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں شریعت نے مرد پر یہ فرض کیا ہے کہ وہ

بیویوں میں باری باری رات گزارے۔ باری کے وجوب ہی سے بیوی کے لیے الگ گھر کے وجوب کی دلیل ملتی ہے۔

سفر میں بھی الگ خیمہ:

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ غزوہِ طائف میں آپ ﷺ کے ہمراہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ ﷺ نے دونوں کے لیے الگ الگ دو خیمے نصب کیے جن کے درمیان آپ ﷺ نماز پڑھتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ از ابنِ کثیر)

اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر کے لیے نکلتے اور ایک سے زائد بیویاں ساتھ ہوتیں تو ان کے ٹھہرنے کے لیے الگ الگ خیمے کا انتظام کیا جاتا۔

سواری بھی الگ الگ:

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر پر روانہ ہوتے تو ازواجِ مطہرات میں قرعہ ڈالتے۔ ایک دفعہ قرعہ میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں کا نام نکلا۔ دورانِ سفر رسول اللہ ﷺ (کا معمول تھا) رات کے وقت چلتے چلتے (زوجہ محترمہ سے) باتیں کرتے۔ اس سفر میں حفصہ رضی اللہ عنہا نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے (از راہِ مذاق) کہا:

''آج رات تم میرے اونٹ پر سوار ہو جاؤ اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہو جاتی ہوں، ذرا تم بھی دیکھو (کیا ہوتا ہے) اور میں بھی دیکھتی ہوں''۔ چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا حفصہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر سوار ہو گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت حسب معمول عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی طرف تشریف لائے حالانکہ اس پر حفصہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں۔ آپ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو سلام کیا (لیکن پہچان نہ پائے) اور چلتے گئے حتٰی کہ اپنی منزل پر پہنچ گئے اور یوں عائشہ رضی اللہ عنہا (اس رات) آپ کی رفاقت سے محروم ہو گئیں۔ جب منزل پر پڑاؤ کیا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے دونوں پاؤں اذخر گھاس میں ڈالے اور فرمانے لگیں ''یا اللہ! کوئی سانپ یا بچھو بھیج دے جو مجھے کاٹ کھائے ، انہیں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' مراد یہ کہ میری اپنی غلطی ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب النکاح: ۵۲۱۱۔ مسلم: ۶۲۴۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ سفر بھی یہ پسند نہیں کیا کہ ان کی دو بیویاں ایک ہی اونٹ پر سواری کریں جب کہ یہ بات معلوم ہے کہ اونٹ کے ہودج میں دو تین تک بھی سواریاں بیٹھ سکتی ہیں۔ نیز اس واقعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج کے ساتھ انصاف کے ساتھ برتاؤ بھی معلوم ہوتا ہے۔

شوہر پر بیوی کا حقِ سکنیٰ:

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ .... (الطلاق:۴)

''اور تم اپنی بیویوں کو رہائش (سکنٰی) دو جیسے کہ تم رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور انہیں نقصان میں مبتلا نہ کرو تا کہ ان کے اوپر تنگی کا راستہ نکالو۔''

تفسیر کشاف میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: تا کہ تم ان پر تنگی کا راستہ نکالو یعنی مکان میں کسی بھی سبب سے ان لوگوں کو لا کر رکھو جن سے ان (بیویوں) کی سازگاری نہ ہو یا یہ کہ وہ ان کے مکان کو پوری طرح گھیر لیں یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے (ان کو تنگی میں نہ ڈالو) یہاں تک کہ انہیں گھر سے نکلنے پر مجبور کر دو۔

کتبِ فقہ کی رو سے الگ گھر:

بیوی کو گھر دینا اسلام میں اتنا جانا پہچانا اور اہم حق ہے کہ فقہی کتب میں بھی اس کے بارے میں خاصی تفصیل ہے۔ ہدایہ میں ہے:

اور شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کے لیے رہائش فراہم کرے جو بالکل الگ ہو جس میں اس کے متعلقین میں سے کوئی نہ رہتا ہو سوائے اس کے کہ عورت خود ایسا پسند کرے کیونکہ سکنٰی ''رہائش'' اس کا بنیادی حق ہے، یہ اس کے لیے اسی طرح واجب ہے جس طرح مرد پر نفقہ واجب ہے۔ (۴۲۱/۲ باب النفقہ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی بحوالہ مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام)

اس کے بعد یہ تصریح ہے کہ:

جب رہائش بیوی کے حق کے طور پر واجب ہے تو شوہر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کو اس میں شریک کرے کیونکہ اس طرح اس کو تکلیف ہوگی اور نقصان پہنچے گا، اس کو اپنے مال اور اسباب کے سلسلے میں بے فکری نہیں رہے گی اور اسے اپنے شوہر کے ساتھ خاص تعلق قائم کرنے میں رکاوٹ ہوگی۔ (بحوالہ سابق)

رہائش کیسی ہو؟

فقہی کتب میں اس کی بھی تفصیل موجود ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ رہائش مرد کے حسبِ استطاعت ہونی چاہیے۔ اگر ایک بڑا گھر (یا وسیع احاطہ) ہو اور اس میں چھوٹی چھوٹی الگ تھلگ رہائش گاہیں بنی ہوں تو یہ رہائش بھی کفایت کرے گی۔

الدر المختار علی رد المختار میں ہے: علامہ ابنِ عابدین شامی کہتے ہیں:

اور (بڑے) گھر کا (چھوٹا) الگ مکان جس کی تالا کنجی اور دوسری سہولیات الگ ہوں اس کا تقاضا ہے کہ بیت الخلا اور باورچی خانہ بھی لازمی طور پر ملحق ہو۔

(۹۱۲/۲۔ مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام)

اور اگر شوہر چاہے کہ بیوی کو اس کی سوکن یا اپنے رشتہ داروں جیسے اپنی ماں بہن، دوسری بیوی میں سے بیٹی کے ساتھ رکھے اور عورت انکار کردے تو شوہر پر لازم

ہوگا کہ اسے الگ مکان میں ٹھہرائے اس لیے کہ ساتھ رہنے سے انکار کرنا اس کے لیے تکلیف اور نقصان کی دلیل ہے۔ (بحوالہ سابق)

نیز اس لیے کہ اسے اس کے ساتھ خاص تعلق اور بے تکلف رہنے کی ضرورت کسی وقت بھی ہوسکتی ہے اور کسی تیسرے کے ساتھ ہوتے ہوئے یہ چیز ممکن نہیں ہو سکتی۔ (بحوالہ سابق)

شوہر کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی بیوی اور ماں کو ایک مکان میں رکھے۔ (بحوالہ سابق)

البتہ اگر وہ ماں کو بڑے گھر کے ایک الگ حصے میں اور بیوی کو دوسرے حصہ میں رکھے تو اسے (بیوی کو) اس کے علاوہ کا اختیار (حاصل) نہیں ہوگا۔

اس میں فقہا نے تصریح کر دی ہے کہ والدین، بہن بھائی، دوسری بیوی سے بچے، یا زیرِ کفالت دیگر افراد شوہر کے گھر والے تو ہیں لیکن وہ ان گھر والوں کو اس گھر میں نہیں رکھ سکتا جس گھر میں اس نے اپنی بیوی کو رکھا ہوا ہے۔ البتہ بیوی کی اجازت سے ایسا کر سکتا ہے۔

واما السکنٰی فانه یجب علیه اسکانها فی منزل لائق بحالهما خال عن اهله وولده .

''اب رہا رہنے کا ٹھکانا تو شوہر پر یہ واجب ہے کہ منکوحہ کو اپنے مناسب مکان

میں ٹھہرائے جوان دونوں کے حسبِ حال ہو اور وہ شوہر کے گھر والوں اور اس کے بچوں سے خالی ہو۔ (بحوالہ سابق)

عدّتِ طلاق شوہر کے گھر میں گزارنا:

اللہ تعالیٰ نے طلاق اور عدت کے احکام بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ. (الطلاق:۲)

''ان (بیویوں) کو ایامِ عدت میں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ ہی وہ خود نکلیں مگر یہ کہ وہ صریح بے حیائی کریں (تب نکال سکتے ہو)۔''

اس آیت سے یہ پتا چلتا ہے کہ شادی شدہ عورت کا گھر وہ ہوتا ہے جو اس کے شوہر نے اسے رہائش کے لیے دیا ہو۔ اگر طلاق ہو جائے تو مطلقہ پر لازم ہے کہ وہ عدت اسی گھر میں گزارے کہیں اور جا کر نہ گزارے۔

ہمارے اس مشترکہ رہائش کے عادی معاشرے میں شوہر اور بیوی میں اختلافات کی خلیج اتنی گہری ہو چکی ہوتی ہے کہ بیویاں روٹھ کر یا شوہر اور سسرال انہیں زبردستی میکے بھیج دیتے ہیں اور وہیں ان کو طلاق نامہ بھجوا دیتے ہیں۔ حالاں کہ عدت شوہر کے گھر میں گزارنے کی حکمت ہی یہ ہے کہ شاید مصالحت کی کوئی

صورت نکل آئے۔

استیذان سے استدلال:

اللہ تعالیٰ نے معاشرتی آداب سکھاتے ہوئے اہلِ ایمان کو حکم دیا:

لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ . فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ. (النور:۲۷،۲۸)

"اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھر والوں کی اجازت لیے اور ان کو سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے شاید تم یاد رکھو۔ اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو، یہ تمہارے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے۔"

اجازت لینے کا یہ حکم اس لیے ہے کہ گھر کے اندر کی چیزوں اور مکینوں پر نظر نہ پڑے، گھر والے کیا بات کر رہے ہیں، کس کام میں مصروف ہیں، کون آیا ہوا ہے؟ اس کا پتا نہ چل سکے۔ اس آیت کی رُو سے گھر میں اجازت لے کر داخل ہونا فرض ہے لیکن ہمارے یہاں اس کا اپنے قریبی رشتہ داروں میں ایسا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ کسی بھی بالغ آدمی کو الگ گھر تو دور کی بات کمرہ تک نہیں دیا جاتا۔ کسی کو کمرہ مل بھی جائے تو اس میں داخل ہونے کے قرآنی اصولوں پر عمل نہیں کیا جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اہلِ خانہ کہیں لوٹ جاؤ یعنی اندر آنے کی اجازت نہ دیں تو اس پر برا نہ مناؤ بلکہ لوٹ جاؤ۔ غور کیجیے کیا ہمارے معاشرے میں کوئی آنے والے کو یہ کہہ سکتا ہے کہ ابھی میں مصروف ہوں بعد میں آیئے گا۔

ایک دوسرے کے گھر سے کھانا کھانے کی اجازت:

سورہ نور میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو جب معاشرتی احکام سکھائے اور گھروں میں اجازت لے کر جانے کا حکم دیا تو ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ اندھے کے لیے کوئی تنگی نہیں ہے اور نہ لنگڑے کے لیے کوئی تنگی ہے اور نہ بیمار آدمی کے لیے کوئی تنگی ہے اور نہ تمہارے اپنے لیے کوئی تنگی ہے کہ تم کھاؤ اپنے گھروں سے اور اپنے باپوں (باپ، دادا، نانا) کے گھروں سے اور اپنی ماؤں (ماں سگی ہو یا سوتیلی، دادی، نانی وغیرہ) اور اپنی بہنوں کے گھروں سے اور اپنے چچاؤں کے گھروں سے اور اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے اور اپنے ماموؤں کے گھر سے اور اپنی خالاؤں کے گھروں سے اور ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے حوالے ہوں اور اپنے دوستوں کے گھروں سے تم سب اکٹھے کھاؤ یا الگ الگ..........

(دیکھیے النور، آیت:٦١)

اس حکم سے درج ذیل باتوں کا پتا چلتا ہے:

☆ ہر بالغ شخص کا گھر اپنے ماں باپ، بھائیوں بیٹوں، چچا ماموں غرض ہر رشتے

دار سے الگ ہو۔

☆ رشتہ داروں اور دوستوں سے اتنی بے تکلفی ہونا چاہیے کہ ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کے ہاں کھانا کھایا جا سکے اور ضرورت کی چیز لی دی جا سکے۔

☆ صاحبِ ایمان آدمی کو ضرورت کی چیز اپنے اعزہ واقارب کو دینے یا کھلانے پلانے میں فراخ دل ہونا چاہیے۔

☆ معذور، بیمار اور ضعیف افراد کو اپنے ان بے تکلف رشتہ داروں اور دوستوں کے ہاں کھانا کھلانے کے لیے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔

☆ صاحبِ حیثیت افراد پر لازم ہے کہ وہ معذوروں اور بیماروں کی خورد ونوش اور ضروریات کا خیال رکھیں۔

☆ اسلامی معاشرت میں گھر الگ الگ ہونے کے باوجود باہم مل بیٹھ کر کھانا کھانے کا رواج عام ہونا چاہیے تاکہ محبت اور تعلق مضبوط رہے۔

☆ ہر شخص کا مال دوسرے شخص کے مال سے الگ حیثیت رکھتا ہے اور صاحبِ مال ہی یہ اختیار رکھتا ہے کہ وہ اسے کہاں خرچ کرے اور کسے کھلائے۔

دوسروں کو کھانا کھلانے یا ان کی ضروریات پر خرچ کرنے کا اجر اسی وقت مل سکتا ہے جب گھر اپنا ہو، اپنے مال پر خود تصرف کرنے کا حق حاصل ہو۔ جن گھروں میں دادا دادی، چچا، پھوپھیاں یا چچا زاد وغیرہ سب مل کر رہتے ہیں وہاں

اپنی خوشی سے کسی عزیز کو گھر بلا کر کھلانے کا اجر بھلا کیسے مل سکتا ہے؟

پردے کے احکام سے استدلال:

اسلام میں ستر وحجاب کا حکم ایک اہم اور جانا پہچانا فریضہ ہے۔ ستر کے احکام صرف محرم افراد کے لیے ہیں جب کہ حجاب کے احکام ہر نامحرم کے لیے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) نامحرم مرد اور عورت کسی جگہ پر تنہا نہ ہوں ورنہ ان کے درمیان تیسرا شیطان ہوگا۔ (دیکھیے صحیح سنن ابنِ ماجہ للالبانی: ۱۷۵۸)

دیور، جیٹھ، نندوئی، بہنوئی، چچا زاد، خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد، خالو، پھوپھا، شوہر کے چچا ماموں وغیرہ سب نامحرم ہیں۔ مشترکہ رہائش میں یہ اہتمام کیسے کیا جا سکتا ہے کہ وہ کبھی بھی گھر میں یا کمرے میں یا گاڑی میں تنہا نہ ہوں۔

(۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار (نامحرم) عورتوں کے پاس تنہائی میں جانے سے بچو۔ ایک صحابی نے عرض کیا، عورت کے سسرالی مردوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اَلْحَمْوُ الْموت شوہر کے رشتہ دار تو موت ہیں یعنی ان سے بچنا ضروری ہے۔ (مسلم، باب تحریم الخلوت، کتاب السلام)

کیا مشترکہ رہائش میں شوہر کے رشتہ دار مردوں دیور جیٹھ اور نندویوں سے بچنا اور ان سے حجاب کرنا ممکن ہوتا ہے؟

(۳) قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا . (الاحزاب:۳۲)

''سو تم (کسی اجنبی شخص سے) نرم آواز سے بات نہ کیا کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کوئی مرض ہے وہ امید (نہ) لگالے اور دستور کے مطابق بات کیا کرو۔''

مشترکہ رہائش میں ہر نامحرم مرد اور عورت کو باہم خوشگوار لہجہ رکھنا پڑتا ہے بلکہ باہم گپ شپ بھی لگائی جاتی ہے، بات مسکرا کر کی جاتی ہے، ایک دوسرے کی ضروریات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ پسند ناپسند بھی ملحوظ رکھنا پڑتی ہے، ایک دوسرے کی عادات یا چیزوں کی تعریف بھی کی جاتی ہے اس کے بغیر مشترکہ گھر چل ہی نہیں سکتا۔

چند گھرانے ایسے ہو سکتے ہیں جن میں نامحرموں کے درمیان کم سے کم بات چیت کو گوارا کیا جاتا ہے ورنہ معاشرے میں عام دستور یہی ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا کہ جب انہوں نے کوئی چیز نامحرم عورتوں کے گھر سے لینا دینا ہے تو کسی اوٹ یا دروازے کے پیچھے کھڑے ہوں۔ (دیکھیے سورہ احزاب:۵۳)

لیکن مشترکہ رہائش میں بے تکلف باورچی خانوں میں، کمروں میں، سفر میں اسی طرح نامحرموں سے بھی بات چیت کی جاتی اور چیزیں لی دی جاتی ہیں جس طرح محرم مردوں سے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ عورتیں اپنی زینت کو سوائے محرم مردوں کے دیگر مردوں پر ظاہر نہ ہونے دیں۔ عورت کی زینت میں اس کا لباس، زیور، بناؤ سنگھار اور حرکات وسکنات یعنی ادائیں شامل ہیں۔ (دیکھیے النور: ۳۲)

مشترکہ رہائش میں لباس تو چھپانا ناممکن ہے، زیور اور بناؤ سنگھار یا حرکات و سکنات بھی نامحرم مردوں سے نہیں چھپائی جاسکتیں۔

(۶) عورت کا بناؤ سنگھار خصوصاً اس کے شوہر کا حق ہے۔ اگر شوہر گھر میں موجود ہے یا گھر میں آنے والا ہے تو بیوی کو چاہیے کہ وہ اپنے بال بنالے، کپڑے اچھے پہن لے، گھر صاف ستھرا کرلے تاکہ شوہر اسے دیکھ کر خوش ہو۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے مسند احمد: ۶/ ۱۰۶۔ بخاری، کتاب النکاح: ۵۲۴۷)

مشترکہ رہائش میں اگر عورت بناؤ سنگھار کرے تو نامحرموں کو دکھانے کے گناہ کی مرتکب ہوتی ہے اور اگر نہ کرے تو شوہر کا حق مارا جاتا ہے۔

(۷) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عورت خوشبو لگا کر مردوں کی مجلس سے گزرتی ہے وہ ایسی ایسی یعنی بدکار ہے۔ (دیکھیے ابوداؤد: ۴۱۷۳)

مشترکہ رہائش میں عورت خوشبو دار تیل، صابن یا دیگر خوشبوئیں استعمال کرے تو رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ وعید کی مستوجب قرار پاتی ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو حکم دیا کہ وہ نامحرموں کو دیکھنے سے اجتناب کریں البتہ اچانک بغیر ارادے کے نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے۔

(دیکھیے سورہ نور آیت ۳۱،۳۲)

مشترکہ رہائش میں اس حکم پر عمل کرنا محال ہے۔

حقوقِ زوجیت کا تقاضا:

نکاح کا بنیادی مقصد میاں بیوی کا ایک دوسرے سے تسکین حاصل کرنا ہے۔

فرمایا:

لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً. (الروم:۲۱)

"تاکہ تم ان (بیویوں) کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان رغبت اور محبت پیدا کر دی۔"

اسلام نے میاں بیوی کے باہم تسکین حاصل کرنے میں جتنی ممکنہ رکاوٹیں تھیں ان سب کو دور کر دیا مثلاً

- ☆ دونوں کا گھر ایک ہی رکھا
- ☆ دونوں میں ستر و حجاب کی پابندی نہیں رکھی

☆ عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنے سے روک دیا تا کہ مرد عورت سے فائدہ اٹھا سکے۔ (دیکھیے بخاری: ۵۱۹۲)

☆ عورت کو حکم دیا کہ وہ شوہر کی موجودگی میں نفل نماز نہ پڑھے۔

☆ عورت کو حکم دیا کہ جب اس کا شوہر اسے اپنی حاجت کے لیے بلائے تو فوراً حاضر ہو چاہے روٹی ہی کیوں نہ پکا رہی ہو۔

(صحیح سنن ترمذی للالبانی، الجزء الاول ح: ۹۲۷)

☆ اگر غیر عورت کی کوئی بات مرد کو پسند آجائے تو اپنی بیوی کے پاس آ کر اس سے اپنی حاجت پوری کر لے۔ (مسلم، کتاب النکاح)

مشترکہ رہائش میں غیر عورتیں تو اکثر سامنے آتی رہتی ہیں لیکن مشترکہ رہائش کا نظام مرد کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ مہمانوں میں بیٹھی ہوئی یا گھر کے کاموں میں مصروف بیوی کو اپنی حاجت کے لیے بلائے۔

اللہ تعالیٰ نے نفلی عبادات کو شوہر کی اجازت سے مشروط کر دیا لیکن مشترکہ رہائش یہ اجازت نہیں دیتی کہ عورت کو شوہر کی موجودگی میں گھریلو کاموں کی چھٹی دے دی جائے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا۔ (البقرۃ: ۱۸۷)

جس طرح لباس انسان کی جسمانی بدصورتی اور عیوب کو ڈھانپ لیتا ہے اس

طرح وہ بھی ایک دوسرے کے عیبوں کو ڈھانپ لیتے ہیں۔

عورت بدسلیقہ ہے، زبان دراز ہے، بدصورت ہے، سست ہے، وقت پر کام نہیں کرتی، دیر سے سو کر اٹھتی ہے، صفائی پسند نہیں، فضول خرچ ہے، اسی طرح مرد سخت مزاج ہے، کماتا نہیں، ڈانٹ ڈپٹ یا مار پیٹ کرنے کا عادی ہے، بیوی کی ضروریات پوری نہیں کرتا، چیزیں ادھر ادھر پھینک دیتا ہے، غصے میں برتن توڑ دیتا ہے، کھانے میں عیب نکالتا ہے۔

میاں بیوی ایک دوسرے کے ہر ایک عیب کو چھپا سکتے ہیں اور انہیں چھپانا بھی چاہیے کہ یہی اس نازک رشتے کا تقاضا ہے، اسی لیے انہیں ایک دوسرے کا لباس بنایا گیا ہے لیکن کیا یہ سب مشترکہ رہائش میں ممکن ہے؟

مشترکہ رہائش میں تو شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کی حقیقی خامیوں کا پتا بعد میں چلتا ہے پہلے گھر کے دوسرے افراد ہی ان کی خامیوں سے واقف ہوتے ہیں۔ بلکہ دیگر افراد بیوی یا شوہر کو ایک دوسرے کی بعض ایسی خامیوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں جن کی طرف ان کی اپنی توجہ شاید کبھی بھی نہ جاتی۔ مثلاً

✪ بیوی نے کھانا پکایا اور نمک زیادہ ہو گیا، شوہر شاید اس پر توجہ نہ ہی دیتا لیکن گھر کے کسی ایک فرد نے کہہ دیا "سالن میں نمک زیادہ ہے۔" اگر اتفاقاً دو تین بار ایسا ہو گیا تو کسی فرد نے یہ کہہ دیا کہ اسے تو کھانا پکانا ہی نہیں آتا۔ یا کسی نے کھانے

سے انکار کردیا بیوی بے چاری کی شامت آ گئی اور شوہر کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اسے پکانا نہیں آتا یا یہ جان بوجھ کر اچھا نہیں پکاتی تاکہ پکانا ہی نہ پڑے۔ میرے ماں باپ یا بہن بھائیوں کی پسند کا اسے کوئی خیال نہیں۔

بیوی سے کسی نے کہہ دیا کہ یہ بہت غصے والا ہے اور عورت کے دل میں خواہ مخواہ ایک بات بیٹھ گئی اور اسی سے بدگمانیوں نے میاں بیوی کے درمیان جنم لے لیا۔

☆ میاں بیوی ایک دوسرے کے شریک زندگی ہوتے ہیں اور یہ تبھی ممکن ہے جب دونوں میں بے تکلفی ہو اور محبت کے کچھ ایسے خارجی مظاہر بھی شامل ہوں جس سے ان کی باہمی محبت اور خلوص میں اضافہ ہو مثلاً

☆ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں برتن کی جس جگہ پر منہ رکھ کر پانی پیتی اسی جگہ منہ لگا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پانی پیتے حالانکہ میں حالتِ حیض میں ہوتی تھی۔ میں گوشت کی ہڈی کو جس جگہ سے منہ میں ڈال کر چوستی اسی جگہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے منہ میں ڈال کر نوچتے۔ (مسلم، کتاب الحیض: ۳۰۰)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ رضی اللہ عنہا ایک ہی برتن سے پانی لے کر اکٹھے غسل کرتے۔ (بخاری، کتاب الغسل: ۲۶۱)

☆ ہر وہ چیز جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو لہو ولعب ہے سوائے چار چیزوں کے۔ جن

میں سے ایک بیوی سے خوش طبعی کرنا بھی ہے۔ (دیکھیے سنن نسائی، کتاب عشرۃ النساء)

لیکن ایسا تبھی ممکن ہے جب میاں بیوی تنہا ہوں، جب انہیں پتا ہو کہ کوئی ان کی ان باتوں کو سن نہیں رہا۔

یاد رہے کہ اگر میاں بیوی اس طرح کی حرکات دوسروں کے سامنے کریں تو یہ صورت بھی حیا کے منافی ہے۔ اسی لیے شوہر بیوی کے خصوصی تعلقات اور بے تکلف لمحات کے لیے خلوت تجویز کی گئی ہے۔

☆ میاں بیوی ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھ تبھی ہو سکتے ہیں جب کہ وہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں عملاً شریک ہوں مثلاً بیماری میں شوہر بیوی کا خیال رکھے اور بیوی شوہر کا خیال رکھے۔ مشترکہ گھروں میں دوا دارو اور تیمارداری کا کام دوسرے افراد سنبھال لیتے ہیں اور شوہر یا بیوی چاہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی تیمارداری نہیں کر سکتے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے تسکین کا باعث ہیں اور بیماری میں تو انہیں تسکین کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔

دیگر رشتہ دار تیمارداری کے ساتھ احسان بھی جتاتے ہیں کہ تمہاری بیماری پر ہم نے یہ یہ کیا۔ دوسروں کو بیماری میں ایک دوسرے کا ہاتھ ضرور بٹانا چاہیے لیکن ایسا بھی نہ ہو کہ شوہر دوسروں کے کام میں لگا ہوا ہے اور بیوی کو جیٹھ دیور ہسپتال لے جا رہے ہیں۔

☆ میاں بیوی مشترکہ رہائش میں ایک دوسرے کے کام میں ہاتھ نہیں بٹا سکتے

اگر مرد عورت کے ساتھ گھریلو کام کرے تو اسے زن مرید سمجھا جاتا ہے اور بیوی کو گھر کے کام موقع ہی نہیں دیتے کہ وہ شوہر کے کسی دفتری یا ذاتی کام میں ہاتھ بٹا سکے۔

☆ اگر میاں بیوی میں کوئی ناراضگی ہو جائے تو الگ رہائش کی صورت میں شوہر بیوی کے حسبِ مزاج اسے سیر کرا کر، کچھ کھلا پلا کر، اس سے معذرت کر کے راضی کر سکتا ہے، اسی طرح بیوی بھی شوہر کے حسبِ مزاج اس سے معافی مانگ کر یا کسی بھی طرح راضی کر سکتی ہے لیکن مشترکہ رہائش میں یہ سب ناممکن ہوتا ہے۔

☆ اگر الگ رہائش ہو تو بیوی کی غیر موجودگی شوہر کو مسلسل محسوس ہوتی رہتی ہے کیوں کہ گھر سنبھالنے والی، وقت پر کھانا دینے والی، مسکرا مسکرا کر اپنی باتوں سے دل لبھانے والی اس کے پاس موجود نہیں ہوتی لہٰذا اسے پورا گھر اپنے ساتھ اداس اداس نظر آتا ہے لیکن مشترکہ رہائش میں پکا پکایا کھانا، دھلے دھلائے کپڑے اور بیوی نہ سہی دیگر افراد کی رونق گھر میں موجود ہوتی ہے نیز مکمل گھر ہوتا ہی نہیں زیادہ سے زیادہ ایک کمرہ ہوتا ہے اس کی بھی گھر کی دیگر عورتیں صفائی وغیرہ کر دیتی ہیں۔

لہٰذا شوہر کو بیوی کی جو طبعی طور پر کمی محسوس ہونی چاہیے وہ نہیں ہو پاتی۔

شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں نہ آنے دینا:

رسول اللہ ﷺ نے شوہر کے حقوق کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: عورت

کے لیے اپنے شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر (نفل) روزہ رکھنا جائز نہیں، نہ ہی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں آنے کی اجازت دینا جائز ہے۔ اور جو عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے اخراجات میں سے اللہ کی راہ میں کچھ دے گی اس کا شوہر کو بھی ثواب ملے گا۔ (بخاری، کتاب النکاح:۵۱۹۵)

یہ حکم بیوی کی تربیت، دینی اقدار کی حفاظت اور بچوں کو دین پر قائم رکھنے کے لیے اہمیت کا حامل ہے۔ کیوں کہ عورتیں اور بچے دوسروں سے جلد متاثر ہوتے ہیں، اگر کوئی بے حیا، فیشن کی دل دادہ یا اخلاق باختہ عورت یا مرد (رشتہ دار یا ملنے ملانے والا) گھر میں آئے گا تو عورتیں اور بچے اس کی دیکھا دیکھی خراب ہو جائیں گے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مرد کو بعض عورتوں یا مردوں کی عادات اچھی نہ لگتی ہوں یا ان کے متعلق کچھ غلط فہمیاں ہوں۔ بہر حال مرد اور عورت کے درمیان حسنِ معاشرت کے لیے یہ ایک اہم نکتہ ہے۔ اس پر عمل تبھی ہوسکتا ہے جب رہائش الگ ہو ورنہ گھر میں ہر بھابھی کے میکے بھی آتے ہیں اور ہر بہن اور بھائی کے سسرال بھی اور ہر فرد کے اپنے اپنے دوست اور سہیلیاں بھی آتے ہیں۔ ان پر پابندی صرف سربراہِ خانہ ہی لگا سکتا ہے، باقی افراد اس کنبے کے دستور کے پابند ہیں اور اپنی طرف سے پابندی نہیں لگا سکتے۔

اکثر گھروں میں تو مرد کو خود اپنے ہی گھر کے کسی فرد کی عادات پسند نہیں ہوتیں لیکن وہ اسے اپنے سے دور نہیں کر سکتا۔

اکثر گھروں میں عورتوں کو پتا ہوتا ہے کہ فلاں فلاں شخص اس عورت کو کس نظر سے دیکھتا ہے لیکن وہ اس کے متعلق کسی کو بتا نہیں سکتی۔ نتیجہ یہ کہ گھروں میں کئی طرح کی خباثتیں جڑ پکڑ لیتی ہیں۔

مسئولیت کا تقاضا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور اس ذمہ داری کے متعلق جواب دہ ہے اور امیر ذمہ دار ہے اور آدمی اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے اور عورت اپنے خاوند اور بچوں کی ذمہ دار ہے پس ہر کوئی ذمہ دار ہے اور اپنے اپنے ماتحتوں کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا۔ (بخاری، کتاب النکاح: ۵۲۰۰)

اس حدیث کی رو سے ہر مرد اپنے گھر والوں (بیوی بچوں) کا نگران ہے اور ہر عورت اپنے شوہر اور اس کے بچوں کے بارے میں ذمہ دار ہے لہٰذا انہیں اپنے ماتحت افراد کی دینی تربیت، تعلیم، علاج، کھلانے پلانے غرض ہر کام کی فکر کرنا چاہیے اور ان سے روزِ قیامت اگر کوتاہی ہوئی تو اس پر باز پُرس اور پکڑ بھی ہو گی۔

مشترکہ رہائش میں سربراہ ظاہر ہے ایک شخص ہوتا ہے باقی سب ماتحت ہوتے ہیں، ہر مرد اور عورت کو ان افراد کو خوش رکھنے کی فکر کرنا پڑتی ہے جو اس کی ماتحتی میں

نہیں آتے، نتیجہ یہ کہ جو ماتحتی میں آتے ہیں ان کی ذمہ داریاں پسِ پشت ڈال دی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ذمہ دار انہی لوگوں کو بنایا ہے جن سے ان کے ماتحتوں کا تعلق قریبی ہوتا ہے اور ہر وقت اس سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ اس قربت ہی کی وجہ سے ماتحت اپنے سربراہ کو اپنے مسائل اور ضروریات آسانی سے بتا سکتا ہے لیکن جس شخص کا رشتہ دور کا ہے اسے بتانے میں جھجک آڑے آتی ہے مثلاً باپ کے ہوتے ہوئے بچے کا اپنے تایا سے کسی ضرورت کے متعلق کہنا.......... ماں کے ہوتے ہوئے بیٹی کا اپنی دادی سے اپنا کوئی مسئلہ پیش کرنا..........شوہر کے ہوتے ہوئے بیوی کا سسر یا جیٹھ سے اپنے اخراجات کا مطالبہ کرنا وغیرہ۔

امانتیں ان کے اہل کے سپرد کر دینے کا حکم:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا. (النساء:۵۸)

"اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو اللہ تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے اور بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔"

مشترکہ رہائش میں سربراہ اپنے کنبے کے وہ افراد جو جس کی ذمہ داری ہیں ان کے حوالے نہیں کرتا، بلکہ اپنی ذمہ داری میں ان سب کو رکھتا ہے اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ شرعاً بیوی شوہر کی ذمہ داری ہے، اولاد ماں اور باپ کی ذمہ داری ہے۔ یتیم بچے اس شخص کی ذمہ داری ہے جو رشتے میں ان کا سب سے قریبی مرد ہے۔ مثلاً دادا، چچا، بھائی، چچازاد بھائی وغیرہ۔

یاد رہے کہ اگر کوئی اپنی ذمہ داری اٹھانے سے گریز کرے تو کنبے کے لوگ اسے سمجھائیں گے اور ذمہ داری اٹھانے پر مجبور کریں گے۔ اگر پھر بھی کامیابی نہ ہو تو ان افراد کا رشتے میں سب سے قریبی شخص ان کی ذمہ داری اٹھالے گا لیکن یہ استثنائی صورت ہے۔ عمومی دستور نہیں ہے۔

آثارِ صحابہ اور الگ رہائش:

صحابہ کے حالاتِ زندگی پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ ان کے ہاں الگ رہائش کا دستور تھا۔ جن میں سے چند ایک صحابہ کے واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح علی رضی اللہ عنہ سے ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے الگ گھر کا انتظام کیا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیٹی سے جو تعلق اور محبت تھی وہ سب پر عیاں ہے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: ''میری بیٹی میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس چیز سے اس کو پریشانی ہوتی ہے اس سے مجھے بھی پریشانی ہوتی ہے اور جس چیز سے اس کو

تکلیف ہوتی ہے اس سے مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ (مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل فاطمۃ ح: ۶۲۵۷۔ ابوداود: ۲۰۷۱۔ نیز بخاری کتاب النکاح۔ ترمذی ابواب المناقب: ۳۸۶۷)

علی رضی اللہ عنہ کی آپؐ ہی نے پرورش فرمائی تھی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی بھی تھے، اور آپ نے انہیں دنیا و آخرت میں اپنا بھائی کہا تھا، لیکن آپ نے ان کو نکاح کے بعد اپنے گھر میں رکھنے کی بجائے الگ مکان دیا۔

آپ کو ان دونوں سے اس قدر محبت تھی کہ سفر سے واپس آتے تو دو رکعت نفل مسجد میں پڑھتے اور پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر جا کر ان سے مل کر اپنے گھر آتے۔ اگر مشترکہ رہائش پسندیدہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو ضرور اپنے ساتھ رکھتے۔

☆ عمرۃ القضا کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں امامہ بنتِ حمزہ رضی اللہ عنہا دوڑتی ہوئی آئیں اور کہنے لگیں یا عم! یا عم!۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اٹھا کر اپنی سواری پر بٹھا لیا اور فرمایا: کون اس بچی کی کفالت کرے گا۔ علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں یا رسول اللہ! کیوں کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں یا رسول اللہ! کیوں کہ یہ میرے دینی بھائی کی بیٹی ہے۔ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اس بچی کی پرورش کروں گا کیوں کہ میری بیوی (اسماء بنتِ عمیس) اس بچی کی خالہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس بچی کی پرورش جعفر رضی اللہ عنہ کریں

گے کیوں کہ خالہ ماں سی ہوتی ہے۔ (مسلم، کتاب الصلح:۲۶۹۷۱)

بھانجے بھانجیاں خالہ کے گھر میں اس صورت بے تکلفی سے آ سکتے اور رہ سکتے ہیں جب خالہ کا گھر الگ ہو، اگر خالہ خود ساس سسر کے گھر میں رہتی ہو تو پھر بھانجے بھانجیوں کا اس گھر میں آ کر رہنا یا پرورش پانا چہ معنی؟

☆ عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک طویل واقعہ بیان کیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ان کے شادی شدہ بیٹے دونوں کے گھر الگ الگ تھے اور دونوں کے گھروں کا خادم ایک ہی تھا۔ گویا مالی لحاظ سے دونوں ہی اتنے کمزور تھے کہ علیحدہ علیحدہ خادم بھی نہیں رکھ سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے یہ نہیں کیا کہ جب ایک ہی خادم رکھنا ہے تو پھر باپ بیٹا، یا ساس بہو ایک ہی گھر میں رہ لیں تاکہ اخراجات میں کمی ہو جائے۔

(دیکھیے، صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ باب السمر مع اہل البیت والضیف، ح:۵۷۳)

☆ مَعْن بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے، میرے باپ نے اور میرے دادا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، آپؐ ہی نے میرے نکاح کی بات کی اور میرا نکاح بھی کرایا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مقدمہ لے کر حاضر ہوا۔ ہوا یوں کہ میرے والد نے کچھ دینار صدقے کی نیت سے نکالے اور انہوں نے مسجد میں ایک شخص کو یہ دینار دے دیے۔ (تاکہ وہ کسی مستحق کو دے دیں) میں

مسجد میں گیا اور ان صاحب سے یہ دینار لے لیے (مفلسی کی وجہ سے) میں پھر والد کے پاس آیا تو میرے والد نے (پتا چلا تو) کہا: اللہ کی قسم میرا ارادہ تجھے دینے کا نہیں تھا۔ یہی مقدمہ لے کر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا: یزید تم نے جو نیت کی تھی اس کا اجر تمہیں مل گیا اور معن جو تو نے لے لیا وہ تیرا ہو گیا۔

(بخاری، کتاب الزکاۃ، باب اذا تصدق علی ابنہ وھو لا یشعر، ح:۱۴۲۲)

اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ باپ بیٹے کا گھر اور اخراجات دونوں الگ الگ تھے، ورنہ ایک ہی گھر سے صدقہ دیا جائے اور دوبارہ اسی گھر میں آ جائے اور وہ ان گھر والوں کے لیے جائز بھی ہو جائے، ایسا نہیں ہو سکتا۔ بیٹا مفلس تھا اور باپ نے صدقہ بیٹے کو نہیں دیا بلکہ ایک شخص کو اپنے صدقے کا وکیل بنا کر اسے دیا تھا، وکیل کو بیٹا مستحق نظر آیا اور اسے دے دیا۔

مشترکہ رہائش میں ہونے والی کوتاہیاں

وہ گھرانے جہاں مشترکہ رہائش ہے، آیئے ذرا ان کا جائزہ لیں کہ ان گھروں میں عبادات اور معاملات کی کیا صورت ہے۔

نماز کے حوالے سے کوتاہیاں:

نماز اسلام کا بنیادی رکن ہے جسے دن میں پانچ بار، اپنے اپنے وقت پر، یکسوئی اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا فرض ہے۔

مشترکہ رہائش میں مختلف مزاج کے لوگ ہوتے ہیں۔ اسلامی احکامات پر عمل کرنے میں اکثریت غفلت کا شکار ہی نہیں بلکہ بعض لوگ ان احکامات پر عمل کرنے والوں یا ترغیب دینے والوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کا مذاق بھی اڑاتے ہیں۔ گو فریضہِ نماز کو ترجیح دینے والے گھرانے بھی موجود ہیں لیکن بہت قلیل تعداد میں۔ بہر حال نماز کے حوالے سے مشترکہ رہائش میں مندرجہ ذیل کوتاہیاں نظر آتی ہیں۔

☆ اگر پورے گھر میں صرف ایک ہی شخص نماز ادا کرنے والا ہے اور دوسرے

سب لوگ نعوذ باللہ اسلامی شعار کا مذاق اڑانے والے ہیں تو یہ اکیلا شخص گھر والوں کی نفرت، طعنوں اور ہنسی مذاق کا نشانہ بنا رہتا ہے۔ یہ صورتِ حال الگ رہائش میں بھی پیش آ سکتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ الگ رہائش میں اگر وہ خود سربراہِ خانہ ہے تو اسے کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہوگا، اگر وہ اس گھر میں بچے کی حیثیت سے ہے یا کوئی اور فرد ہے تو اس کا مذاق اڑانے والوں کا جتھہ کم ہوگا۔

☆ زیادہ افراد کی وجہ سے مشترکہ رہائش میں کام زیادہ ہوتے ہیں، اس لیے نماز ادا کرنے والے بھی کام میں مصروفیت کی وجہ سے سستی کر جاتے ہیں۔

☆ اگر کوئی کام چھوڑ کر نماز کے لیے اٹھ جائے تو گھر کے دوسرے افراد اس پر بگڑ جاتے ہیں کہ پہلے کام ختم کیوں نہیں کیا۔

☆ بعض چھوٹے گھروں میں غسل خانہ ایک ہی ہوتا ہے لہٰذا فجر کے وقت باری آنے کے انتظار میں نماز قضا ہو جاتی ہے۔

☆ اگر مشترکہ رہائش کا سربراہِ خود نماز کا عادی ہو تو وہ تمام افراد کو نماز زبردستی بھی پڑھوا سکتا ہے لیکن ایسے گھرانے بہت کم ہیں۔

☆ فرض نمازیں تو خیر لیکن نفل نمازوں کے لیے مشترکہ رہائش میں وقت نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

☆ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فرض نماز، نفل نمازیں، ورد، وظیفے یہ سب عمر رسیدہ

لوگوں کا کام ہے۔نوجوانوں کے لیے نہ اس کی اہمیت سمجھی جاتی ہے۔ نہ اس کا نوجوانوں کو موقع فراہم کیا جاتا ہے۔

مالی کوتاہیاں:

مشترکہ گھر میں زیور، جائیداد اور جمع شدہ مال کے متعلق یہ طے نہیں ہوتا کہ یہ کس کس کی ملکیت ہیں، مثلاً

☆ زیور کی زکوٰۃ اسے ادا کرنا چاہیے جس کی یہ ملکیت ہے یہ تو طے ہے کہ زیور عورتیں ہی پہنتی ہیں۔لیکن جس عورت نے یہ زیور پہنا ہوا ہے بظاہر کہا جاتا ہے کہ یہ اسی کا ہے لیکن اس عورت کو یہ زیور بیچنے کا اختیار نہیں ہوتا، بعض گھرانوں میں عورتوں کو اس کی شکل بدلنے کا بھی اختیار نہیں ہوتا۔ایسی صورت میں زیور تو اس کا ہوا جو اس زیور پر تصرف کا حق رکھتا ہے، جس نے یہ زیور پہن رکھا ہے اس کے پاس تو یہ عملاً مستعار چیز ہے۔

☆ اگر عورت کے اپنے تصرف میں زیور ہو تو وہ زکوٰۃ زیور میں سے بھی دے سکتی ہے۔یاد رہے کہ کسی دوسرے کی طرف سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔جیسے شوہر نے بیوی کی طرف سے یا باپ نے بیٹی کی طرف سے زکوٰۃ دی تو ادا ہو جائے گی۔

☆ موجود رقم پر زکوٰۃ ادا کرنے میں بھی غفلت کی جاتی ہے۔بعض لوگ یہ کہہ کر خود کو تسلی دے لیتے ہیں کہ یہ تو گھر کے تمام کمانے والوں کا مشترکہ مال ہے۔حالانکہ

جب اخراجات مشترکہ ہیں تو مشترکہ مال پر زکوٰۃ بھی مشترکہ ہوگی۔ اگر سربراہِ خانہ زکوٰۃ نہ دے تو وہ گھر کے تمام افراد کو مالِ حرام کھلانے کا مرتکب ہوتا ہے۔

☆ مشترکہ رہائش میں سربراہ اگر قربانی کی اہمیت سے واقف ہے پھر تو وہ سب کمانے والوں کی طرف سے دل کھول کر قربانی دیتا ہے لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں دین سے بے بہرہ سربراہ تنگ دستی کا عذر گھڑ کر قربانی دینے سے پہلوتہی کرتا ہے بعض گھروں میں ہر کمانے والا اپنے طور پر قربانی کا اہتمام کرتا ہے۔

☆ مشترکہ رہائشوں میں فطرانے کے حوالے سے یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ عیدالفطر گزر گئی اور سب اس گمان میں رہے کہ "فلاں" نے ادا کر دیا ہوگا۔ اگر ہر بال بچے دار فرد پر الگ الگ فطرانہ ادا کرنے کی ذمہ داری ہو تو پھر ایسی غفلت نہیں ہو سکتی۔

☆ مشترکہ رہائش میں ہر کمانے والا ایک لگی بندھی رقم گھر کے سربراہ کو دینے کا پابند ہوتا ہے اب اگر کوئی فی سبیل اللہ رقم خرچ کرنا چاہے یا صدقہ و خیرات دینا چاہے تو وہ اپنی کمائی میں سے زیادہ رقم خرچ نہیں کر سکتا۔ جب کہ الگ رہائش کی صورت وہ اپنے اخراجات کو کم کر کے فی سبیل اللہ خرچ کر سکتا ہے۔

☆ اکثر گھرانوں میں عقیقہ کرنے کی روایت ہی نہیں اگر مشترکہ رہائش میں رہتے ہوئے خود اپنے بچے کا عقیقہ کرنا چاہے تو اسے خاصی جرات سے کام لینا پڑتا ہے۔

بعض گھرانوں میں کسی زیادہ لاڈلے اور دیر سے ملنے والے بچے کی پیدائش پر عقیقہ کرنے کا رواج ہے جو عموماً کسی بڑی دعوت کی شکل میں کیا جاتا ہے۔ مشترکہ رہائش میں اگر کسی بچے کا عقیقہ کیا جائے اور کسی بچے کا عقیقہ نہ کیا جائے تو گھر بھر میں یہ شکایت سر اٹھانے لگتی ہے کہ فلاں زیادہ لاڈلا تھا یا فلاں کی بات مانی جاتی ہے، یا فلاں نے تو خوب خرچہ کروالیا عقیقہ کر کے۔ بہت کم سربراہ ایسے ہیں جو تمام بچوں کا عقیقہ شرعی حکم کے مطابق کرتے ہیں۔

آگ سے بچنے اور بچانے کا فریضہ مشترکہ رہائش میں:

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو حکم دیتا ہے:

قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا. (التحریم:۶)

''بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ (دوزخ) سے۔''

ایک صاحبِ ایمان شخص کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ کو اسلامی احکامات بتائے، انہیں قرآن وسنت کی تعلیم دے، انہیں پابند صوم وصلوٰۃ بنائے، اعمالِ صالحہ کی ترغیب دے اور برے اعمال کے انجام سے ڈرائے۔

مشترکہ رہائش میں گھر میں موجود افراد کے دنیوی مسائل اور شکایات ہی اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ انہیں نبھانے میں ہی وقت صرف ہو جاتا ہے۔

سربراہِ خانہ کا جن افراد سے قریبی تعلق ہے انہیں تو وہ اسلامی احکامات بتا سکتا

اوران پر حکم چلا سکتا ہے لیکن دور کے تعلق والوں کو اس انداز سے نہیں سمجھا بتا سکتا اور نہ ہی وہ اس کی بات سننے کے لیے تیار ہوتے ہیں مثلاً بہو، پوتے پوتیاں، بھتیجے، بھتیجیاں، بھانجے بھانجیاں اور بہن بھائی وغیرہ۔

نتیجہ یہ کہ گھر کا سربراہ ان سب افراد کی دین کی دوری کی وجہ سے پریشان رہتا ہے بلکہ گھر کے بعض افراد کی بے دینی گھر کے دوسرے افراد خصوصاً بچوں پر اثر انداز ہونے لگتی ہے۔

مردوں کی طرح خواتین کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو غیر اسلامی طرزِ فکر اور غیر اسلامی رسوم و عادات اختیار کرنے پر روکیں۔ اگر ان کے شوہر، بھائی، باپ، بیٹے یا بھتیجے یا بھانجے وغیرہ دینی اقدار کے پابند نہیں، تو انہیں سمجھائیں، انہیں دینی تعلیم سکھائیں، کیوں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ہر سطح پر فرض ہے۔ دوسرے رشتہ دار تو دور کی بات ہے مشترکہ رہائش میں اپنے شوہر یا بیوی اور اپنے بچوں کی تربیت کرنا ہی ایک امرِ محال بن جاتا ہے۔

اگر عورت دین کی تعلیم سے واقف ہے اور شوہر میں اس تعلیم کی کمی ہے تو عورت کے لیے اپنے شوہر کو قرآن و حدیث کی تعلیم سکھانا ممکن نہیں ہوتا۔ مرد کی انا آڑے آتی ہے اور یہ بات بیوی سے دین سیکھنے میں عار دلاتی ہے کہ گھر والے باتیں کریں گے کہ یہ شخص اپنی بیوی سے تعلیم حاصل کرتا ہے۔

رسومات کی بیڑیاں:

اسلام میں رسومات کا کوئی وجود نہیں لیکن عوام چوں کہ اَن پڑھ ہیں اس لیے کافرانہ رسومات کے رسیا ہیں۔

مشترکہ رہائش میں چوں کہ مختلف مزاج اور مختلف خاندانوں کے لوگ ہوتے ہیں لہٰذا ہر خاندان کی رسومات مشترکہ خاندان میں در آتی ہیں۔ نیز گھر کے افراد زیادہ ہوتے ہیں، اس لیے ولادت، عقیقہ، منگنی، مہندی، شادی، ولیمہ، عید، ٹرو، مرو، شب برات، شب معراج، میلاد النبی، رجب کے کونڈے، آئے روز مختلف پیروں اور بزرگوں کے عرس، وفات، قل، چہلم، برسی، قرآن خوانی، قومی دنوں کی تقریبات، عاشورہ محرم کی رسومات و تقریبات، کسی بچے کے پاس ہونے کی دعوت، کسی کو ملازمت ملنے کی خوشی میں دعوت، نو بیاہتا جوڑوں کی دعوتوں کا سلسلہ، غیر مسلموں کے تہوار، غرض یہ سب سلسلہ یا تو آئے روز اپنے گھر میں چلتا رہتا ہے یا پھیلے ہوئے گھر کے مختلف افراد کے رشتہ داروں میں کوئی نہ کوئی رسم یا تقریب آتی رہتی ہے۔

جس کی وجہ سے وقت اور مال کا ضیاع جاری رہتا ہے۔ اگر کوئی ان میں دینی شعور رکھتا ہے اور بچنا چاہتا ہے تو اس کو گھر کے تمام افراد سمجھاتے ہیں کہ اتنا سا کر لینے سے کچھ نہیں ہوتا، یہ رسم گناہ تو نہیں، اسلام اتنا بھی سخت نہیں، اللہ اتنی سی بات

پر پکڑ نہیں کرتا۔

☆ اگر دینی سوچ رکھنے والا فرد کسی رسم یا تقریب میں شامل نہ ہو تو اس اختلاف کو ذاتی مسئلہ بنا لیا جاتا ہے۔

☆ مشترکہ رہائش کی وجہ سے ہر فرد سے متعلقہ رسم سب کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے۔

☆ سربراہِ خانہ بظاہر برابری کرنے کے لیے سب افراد کے مختلف مواقع اور تقریبات یا رسومات پر یکساں خرچ کرتا ہے تو اندر کھاتے وہ صرف اپنے مَن پسند فرد یا من پسند تقریب ہی پر دلی رغبت کے ساتھ خرچ کرتا ہے۔

☆ الگ رہائش کی صورت ہر فرد اپنی جیب اور اپنی مصروفیات کو دیکھ کر کسی تقریب یا رسم کا فیصلہ کرتا ہے۔

☆ اگر گھر میں ایک شخص کو بھی دینی شعور ہو تو اسے اپنے گھر کے چند افراد کو سمجھانا آسان ہوتا ہے بہ نسبت بھرے پڑے گھر کے۔

☆ اگر کوئی فرد کوئی کام شرعی طریقے سے کرنا چاہ رہا ہے تو اسے بناوٹی یا جبری سربراہ سے اجازت لینے کے جتن نہیں کرنے پڑتے۔

☆ الگ رہائش کی صورت ایک شخص اپنے باپ، ماں، بھائی، بہن، بیٹے، بیٹی یا دیگر رشتہ داروں کی کسی رسم سے الگ رہنا چاہے تو اس کے لیے یہ ایک آسان کام

ہوتا ہے جب کہ ان ہی لوگوں کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہ کر اپنی بات منوانا اس کے لیے جان جوکھوں کا کام ہوتا ہے۔

☆ گھروں میں یہ دبی دبی اور علی الاعلان بھی یہ شکایت بھی جاری رہتی ہے کہ فلاں بہو کے بھائی کی شادی پر تو اتنا خرچ کیا اور میرے بھائی کی شادی پر کم خرچ کیا۔ فلاں بچے کی سال گرہ تو دھوم دھام سے منائی گئی اور فلاں کی بس خانہ پُری ہی کی گئی۔

جہیز کا پھندا:

مشترکہ رہائش کی وجہ سے ہی جہیز نے ہمارے معاشرے پر پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ لڑکوں کی مائیں بہو تلاش کرتے وقت جہیز ہی کو اولین ترجیح دیتی ہیں۔

☆ جب معاشرے میں لڑکے کی ماں بہو کے قیمتی جہیز پر فخر کا اظہار کرتی ہے تو ہر جاہل ماں کا جی چاہتا ہے کہ اس کی بہو اس عورت کی بہو سے بھی زیادہ جہیز لائے۔

☆ ایسے گھر جہاں ڈھنگ کا گلاس یا پیالی تک نہیں ہوتی، بیٹے کی شادی کرنے پر گھر چم چم کرتے فرنیچر، برتن، فریج اور ٹی وی وغیرہ سے بھر جاتا ہے۔

☆ ہمارے معاشرے میں 80% لڑکیوں کی شادی لڑکے والوں کو مطلوبہ جہیز نہ دے سکنے کی وجہ سے دیر سے ہو رہی ہے۔ جب کہ 20% لڑکیوں کی شادیاں جہیز نہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتیں۔

☆ جہیز کا سامان اگر ساس اور نندیں استعمال کریں تو بہو کو آگ لگ جاتی ہے۔

☆ اکثر بہوئیں اپنا سامان ساس نندوں سے بچا بچا کر رکھتی ہیں۔ نتیجہ باہمی لڑائی ہی ہوتا ہے۔

☆ ساس جہیز کو استعمال میں نہ بھی لائے تو اس کے لیے گھر میں اس قیمتی سامان کی موجودگی ہی باعثِ فخر ہوتی ہے۔

☆ اکثر گھروں میں کم جہیز یا گھٹیا جہیز کا مسئلہ ہمیشہ ساس کی طرف سے اٹھتا ہے۔ جس کی ہم نوائی گھر کے دیگر افراد بھی کرتے ہیں نتیجہ یہ کہ خاوند ناراض ہو کر بیوی کو میکے اس شرط پر بھیج دیتا ہے کہ فلاں فلاں چیز یا اتنی اتنی رقم باپ اور بھائیوں سے لے کر آؤ گی تو تمہیں رکھوں گا ورنہ میری طرف سے تمہیں چھٹی ہے۔

☆ اگر لڑکے نے الگ گھر بسانا ہو اور دیگر رشتہ داروں کی اس کے گھر میں کوئی مداخلت نہ ہو تو پھر ساس اور نندوں کو جہیز سے کیا غرض! بہو معمولی چیزوں میں گزارہ کرے یا قیمتی چیزوں کو برتے۔

صلہ رحمی اور مشترکہ رہائش:

اسلام نے ہر بالغ فرد پر دیگر افراد کے حقوق رکھے ہیں جن میں رشتہ داروں کے حقوق سرِ فہرست ہیں۔ صلہ رحمی سے مراد ہے رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھنا اور حقوق سے بڑھ کر ان پر احسان کرنا۔ صلہ رحمی وہ عمل ہے جس کے متعلق

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''رحم اللہ کے آثارِ رحمت میں سے ہے، اللہ فرماتا ہے جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو تجھے کاٹے میں اسے اپنی رحمت سے کاٹ دوں گا۔''

(بخاری:۵۹۸۸)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی روزی میں فراخی اور اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے تو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔''

(بخاری، کتاب الادب:۵۹۸۶۔ مسلم:۲۵۵۷)

صلہ رحمی کا تقاضا ہے کہ ہر بالغ فرد اپنی نیت، ارادے اور حسنِ عمل کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ رشتہ دار کی مالی مدد ہو یا کام میں ہاتھ بٹانا، اس کے دکھ درد میں اسے تسلی دینا ہو یا خوشی میں اظہارِ مسرّت کرنا، بیماری میں عیادت کرنا ہو یا وفات پر جنازے میں شرکت، عمومی ملاقات ہو یا دعوتِ طعام، تحائف کا لین دین ہو یا محبت کے دیگر مظاہر یہ سب تبھی باہم کیے جاسکتے ہیں جب رہائش الگ الگ ہو۔ مشترکہ رہائش میں بھی یہ سب کیا جاتا ہے لیکن خلوص اور دل کی خوشی بہت کم شامل ہوتی ہے۔ صرف مشترکہ گھر کے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی کی وجہ سے یہ سب کرنا پڑتا ہے۔ اکٹھے رہنے سے، دلوں میں کدورت، بدگمانیاں، شکوے اور رنجشیں پیدا ہوتی ہیں، ان کی موجودگی میں جو چار و ناچار ایک دوسرے کے ساتھ بظاہر اچھا

رویہ اپنایا بھی جائے تو اس پر کوئی اجر ملنے کی امید نہیں ہوتی۔

صلہ رحمی کرنے کا مزا تو تب ہے کہ اپنے اپنے گھروں سے آ کر ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شرکت کی جائے، ایک دوسرے کی دعوت کی جائے۔ بڑوں کی خدمت میں حاضری دی جائے اور ان کی خدمت و تواضع کی جائے۔

تحائف اور مشترکہ رہائش:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تہادوا تحابوا "تحفے لو اور دو اور آپس میں محبت بڑھاؤ۔"

(الادب المفرد للبخاری: ۲۶۹ تحقیق محمد فواد عبدالباقی)

تحفے دینا اسلامی روایت کا اہم حصہ ہے ان سے محبت بڑھتی اور کینہ دور ہوتا ہے۔ مشترکہ رہائش میں بہت کم گھرانے ایسے ہوتے ہیں جہاں ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہو کہ وہ جس رشتہ دار کو جو تحفہ دینا چاہے دے سکے، ورنہ مشترکہ رہائش میں اس مسنون عمل میں مندرجہ ذیل رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔

- ✫ گھر کے سرپرست کی اجازت یا اس کے علم میں لانا ضروری ہے کہ کس کو کیا تحفہ دیا
- ✫ دوسروں کی طرف سے ملنے والے تحفوں کا دوسروں کو بتانا اور دکھانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

☆ گھر کے کسی فرد کے رشتہ دار کو قیمتی اور کسی فرد کے رشتہ دار کو کم قیمت تحفہ دینے پر باہم شکایات اور جھگڑے۔

☆ اکثر افراد کا گھر کے سرپرست یا دیگر افراد کو بتائے بغیر تحائف دینا، جس کا پتا چل جائے تو پھر وہی شکایت اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔

☆ جو افراد گھر میں اکٹھے رہتے ہیں وہ تحفہ لینے دینے کی روایت سے محروم رہتے ہیں کیونکہ مال بھی مشترکہ ہوتا ہے اور رہائش بھی۔ اگر کسی اہم موقع پر کوئی کسی کو تحفہ دے تو یہ رقم گھر کے مشترکہ مال ہی کا ایک حصہ ہوتی ہے۔

☆ تحفہ دلی رغبت اور اظہارِ محبت کا نام ہے لیکن مشترکہ رہائش میں یہ ایک رسم کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔

☆ اگر گھر کے سربراہ کو کسی فرد کے دوسرے کو تحفہ دینے پر اعتراض ہو اور وہ تحفہ دینا ہی چاہتا ہو تو وہ چھپا کر تحفہ دیتا ہے اور اگر سربراہ کو پتا چل جائے یا وہ پوچھ گچھ کرے تو وہ جھوٹ کا سہارا لے کر بظاہر فتنے کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔

☆ بہوئیں بعض اوقات فخر جتانے اور رعب ڈالنے کے لیے کوئی چیز خود خرید کر یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اسے یہ اس کے میکے والوں نے دیا ہے۔ اس طرح جھوٹ اور فریب کا ارتکاب عام ہوتا ہے۔

مہمان نوازی اور مشترکہ رہائش:

مہمانوں کے حوالے سے مشترکہ رہائش میں مندرجہ ذیل شکایات ہوتی ہیں۔

☆ فلاں کے رشتہ داروں کو زیادہ اہمیت دی گئی اور فلاں کے رشتہ داروں کو کم۔

☆ فلاں کے رشتہ دار کی تواضع و مدارت کے لیے یہ یہ کیا گیا اور میرے رشتہ دار کے لیے نہیں کیا گیا اور یہ حقیقت بھی ہے کہ تمام مہمانوں میں برابری کرنا ممکن بھی نہیں جو افراد گھر میں زیادہ اہم ہوں اور ان کے احباب اور رشتہ دار بھی اہمیت رکھتے ہیں اور جو افراد گھر میں کم اہمیت رکھتے ہیں ان کے احباب و رشتہ دار کو بھی کم اہمیت دی جاتی ہے۔

☆ مشترکہ رہائش میں ناپسندیدہ افراد کے رشتہ داروں کی مہمان نوازی صرف سرکاری فریضہ سمجھ کر کرنا پڑتی ہے۔

☆ جس شخص کا رشتہ دار آیا ہے ممکن ہے وہ مہمان نوازی زیادہ بہتر انداز میں کرنا چاہتا ہو لیکن اسی پر اکتفا کرنا پڑتا ہے جو گھر کی طرف سے کیا گیا ہے۔

☆ مہمان کے پاس بیٹھنا اور اس سے ملنا گھر کے ہر فرد کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے، جب کہ ہر فرد کی نہ تو مہمان سے رشتہ داری ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی باہمی دل چسپی۔

☆ شرعاً دیورانی کے میکے والے جیٹھانی یا نند وغیرہ کے ایسے رشتہ دار نہیں ہیں جن

سے میل ملاقات فرض ہو۔ اسی طرح نند کے سسرال والے بھابھی کے رشتہ دار نہیں ہوتے، لیکن مشترکہ رہائش کی وجہ سے سب ان سے رشتہ داروں ہی کی طرح ملنے، بات چیت کرنے اور خاطر مدارات کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔

یاد رہے کہ اسلامی اخلاق کی رو سے آنے والے ہر مہمان کی خاطر و مدارات کرنا چاہیے لیکن دل کی خوشی کے ساتھ، دکھاوے یا اس ڈر سے نہیں کہ اگر اس مہمان کے پاس نہ بیٹھے تو نند یا بھابھی یا ساس وغیرہ ناراض ہو جائیں گی۔

میل ملاقات اور مشترکہ رہائش:

میل ملاقات انسان کا ذاتی معاملہ ہے اور اسے اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق خود فیصلہ کرنا چاہیے کہ اسے کب کس سے ملاقات کے لیے جانا چاہیے۔

مشترکہ رہائش میں گھر کے سربراہ کی مرضی پر چلنا پڑتا ہے، چنانچہ بہوؤں کو میکے جانے یا اپنے رشتہ داروں کے ہاں جانے کی اجازت تب ملتی ہے جب گھر کے سربراہوں کی طرف سے اجازت ہو۔

مشترکہ رہائش میں ایک بالغ فرد کے رشتہ دار دوسرے کے لیے اجنبی ہوتے ہیں، اس کے باوجود جب کہیں جانے کا پروگرام بنتا ہے تو سب اکٹھے جاتے ہیں۔ بہت سے رشتہ دار ایسے ہوتے ہیں جہاں کسی فرد کے جانے کی مرضی نہیں ہوتی لیکن گھر والوں کی طرف سے یہ اصرار ہوتا ہے کہ ضرور چلیں۔ بعض اوقات طبیعت

ہی ٹھیک نہیں ہوتی لیکن ناراضگی سے بچنے کے لیے ساتھ چل پڑتے ہیں۔

شریعت کے مطابق عورت کو صرف اس جگہ جانا چاہیے جہاں جانے کی اس کا شوہر اجازت دے، دوسرے یہ کہ وہ صرف ان رشتہ داروں کے ہاں جائے جہاں جا کر اسے یہ اعتماد ہو کہ اس کے دین و ایمان میں اضافہ ہوگا۔ یا وہ دوسروں کو کسی اچھے کام کا کہہ سکے گی اور برے کام سے روک سکے گی۔ اگر ایسا نہیں تو پھر عورتوں کو دوسرے عزیزوں کے گھروں میں جانے سے گریز کرنا چاہیے۔

رشتہ داری، نباہنا یقیناً صلہ رحمی ہے اور اس کا اجر بھی ہے لیکن صلہ رحمی کرتے کرتے دینی اقدار سے دست بردار ہو جانا یا رشتہ داروں کی غیر شرعی تقریبات اور مخلوط مجالس میں شریک ہونا کبیرہ گناہ ہے۔

میکے کے رشتہ دار محرم نہ بھی ہوں تو بھی ان سے رحم ونسب کا تعلق ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں بس وہی عورت کے اولیا ہوتے ہیں جیسے باپ دادا اور چچا نہ ہو تو چچا زاد عورت کے ولی ہوتے ہیں۔ نیز ان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاندان کی خواتین کے تحفظ اور احترام کا جذبہ فطری طور پر رکھ دیا ہے اس لیے اگر کبھی ان سے بات کرنا پڑ جائے تو وہ اس قدر فتنے کا باعث نہیں ہوتا جس قدر سسرال کے رشتہ دار مردوں کی مجالس میں شریک ہونا ان سے بات کرنا اور ان کے گھروں میں بلا ضرورت صرف ملنے ملانے کے لیے جانا باعثِ فتنہ بن سکتا ہے البتہ اگر وہ خود بھی

شرعی حدود کے پابند ہوں تو پھر ایسے رشتہ داروں سے ملنا ملانا شرعی اور ایمانی لحاظ سے مفید ہونے کی وجہ سے بعض حالات میں ضروری ہوتا ہے۔

لباس:

مشترکہ رہائش میں لباس جیسے بظاہر بے ضرر کام میں بھی انسان اپنی مرضی نہیں کرسکتا۔

نئی نویلی بہو وہی پہننے پر مجبور ہوتی ہے جس کا حکم اسے ساس کی طرف سے ملتا ہے۔

ساس اور نندیں خیال رکھتی ہیں کہ اس نے فلاں سوٹ نہیں پہنا یا اتنے دنوں سے نظر نہیں آیا تو وہ کہاں گیا کوئی بہو اپنی مرضی سے زیور پہننے کی بجائے اپنی ساس اور نندوں کی مرضی کا زیور پہننے کی پابند ہوتی ہے۔ ماں باپ چاہتے ہیں کہ وہ بچوں کو ساتر لباس یا اسلامی ہدایات کے مطابق لباس پہنائیں لیکن مشترکہ رہائش میں گھر کے دیگر افراد بار بار کہتے ہیں لو اس لباس سے کیا ہوتا ہے؟ اتنی بھی سختی کیسی؟ یہ لباس بچی کو کتنا پیارا لگ رہا ہے؟ اور بچی کی والدہ تلملا کر رہ جاتی ہے۔

جو کپڑے چچا، پھوپھی، دادا، دادی یا کوئی اور لے کر آئے اسے پہننا اور پہنانا فرض ہو جاتا ہے۔ یوں ناگواری کے ساتھ ہی سہی ''دل رکھنے کے لیے'' غیر شرعی لباس بھی پہنے اور پہنائے جاتے ہیں اور یہ نہیں سوچا جاتا کہ ایسا کرنے سے

وہ رحمان و رحیم ذات ناراض ہو جائے گی۔ جس نے یہ سب نعمتیں عطا کی ہیں شریعت عورت کو صرف اپنے خاوند کی پسند کا لباس پہننے پر مجبور کرتی ہے بشرطیکہ اس لباس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو۔ اگر شرعی قباحت ہو تو خاوند کے کہنے پر بھی عورت کے لیے وہ لباس پہننا جائز نہیں۔

مشترکہ رہائش میں شوہر بے چارے کی پسند تو پوری ہو یا نہ ہو، دوسرے گھر کے تمام افراد کی پسند پوری کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ستم یہ کہ دیور اور شوہر کے کزن بھی اپنی بھابھی کے لیے جو کچھ لائیں اسے پہننا اور اسے استعمال کرنا لازمی ہوتا ہے ورنہ گھر بھر میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

اخراجات میں ناہمواریاں:

انسان جو کچھ کماتا ہے وہ شرعاً اسی کی ملکیت ہے۔ فرمان ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبًا مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَاءِ نَصِيْبًا مِّمَّا اكْتَسَبْنَ.

”مردوں کا وہ حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے ان کا وہ حصہ ہے جو انہوں نے کمایا“۔ (النساء:۳۲)

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ (صحابہ) آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ خرچ کیسے کریں، فرما دیجیے کہ تم اپنے مال میں سے جو کچھ خرچ کرو وہ والدین کو رشتہ داروں کو، یتیموں کو محتاجوں کو اور مسافروں کو دو اور جو بھلائی تم کرو

گے اللہ اسے جانتا ہے۔ (البقرہ:۲۱۵)

یادر ہے کہ بیوی بچوں پر خرچ کرنا انسان کی اپنی ضرورت اور مجبوری ہے اور وہ اس کے اہل و عیال ہیں اس لیے ان پر خرچ کرنے کا حکم دیگر جگہوں پر آیا ہے یہاں ان کے علاوہ افراد پر خرچ کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

انسان کی فطرت ہے کہ وہ جو کچھ کماتا ہے اسے اپنے فائدے کے لیے اور اپنی مرضی سے خرچ کرنا چاہتا ہے چاہے اس کے پیشِ نظر دنیوی فائدہ ہو چاہے اخروی فائدہ۔ مشترکہ رہائش میں کمانے والا اپنی کمائی میں اپنی مرضی سے تصرف نہیں کر سکتا۔ شرعی اور دنیوی لحاظ سے مشترکہ رہائش میں آمدنی اور خرچ کے حوالے سے مندرجہ ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں:

☆ ہر ایک کمانے والے کو اپنی کمائی مشترکہ اخراجات چلانے والے کے حوالے کرنا پڑتی ہے جو اس کے لیے ناگوار امر ہوتا ہے۔

☆ ہر کمانے والا اپنی کمائی کی اصل مقدار چھپاتا اور گھر والوں پر کم کمائی ظاہر کرتا ہے تاکہ کچھ رقم اپنے لیے بھی بچا سکے۔

☆ جو کمانے والا اپنی پوری کمائی سربراہِ خانہ کو بتاتا ہے لیکن اسے دیتا کم ہے، اس پر اعتراض کیا جاتا ہے۔

☆ جو اپنی پوری کمائی سچ سچ بتاتا اور ساری ہی مشترکہ اخراجات کے ذمہ دار کے

سپرد کر دیتا ہے اسے اپنی ذاتی ضروریات پوری کرنے میں مشکل پیش آتی ہے۔

☆ مشترکہ اخراجات کرنے والے کو یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ گھر کا وسیع بجٹ ہر ماہ کس طرح پورا ہوگا۔

☆ وسیع گھر اور زیادہ افراد کی وجہ سے ہنگامی اخراجات بھی آئے روز درپیش رہتے ہیں۔

☆ بعض مشترکہ اخراجات کے ذمہ دار افراد ہمیشہ کم مائگی کا رونا روتے رہتے ہیں نتیجہ یہ کہ بعض افراد اپنی ضرورت بتاتے ہوئے ہچکچاتے ہیں یا اپنی ضرورت بتاتے ہی نہیں۔

☆ گھر کے بعض افراد آئے روز غیر حقیقی ضروریات بھی سربراہ خانہ کو بتاتے رہتے ہیں تاکہ اضافی رقم لے سکیں۔

☆ بعض افراد جیب کٹنے، مال چوری ہونے یا کاروبار میں نقصان کا بہانہ بھی گھڑ لیتے ہیں۔

☆ مالی امور کے بعض ذمہ دار کسی کو بتائے بغیر اپنے نام سے رقم پس انداز کرتے رہتے ہیں تاکہ جب الگ الگ ہوں تو یہ رقم اس وقت کام آئے۔

☆ اکثر کمانے والے مالی امور کے سربراہ کو اپنی مرضی سے کمائی نہیں دیتے جب کہ کسی کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لینا جائز نہیں۔ (دیکھیے مشکوٰۃ، کتاب البیوع)

☆ گھر میں جو شخص سب سے زیادہ کماتا ہے اس کے بیوی بچوں کو عزت زیادہ دی جاتی ہے اور جو کم کماتا ہے اسے کم سہولتیں دی جاتی ہیں۔

☆ اکثر افراد ایک دوسرے سے چھپا کر خرچ کرتے ہیں۔

☆ مشترکہ رہائش میں کوئی شخص اپنے بیوی بچوں کے لیے یا کسی خاص فرد کے لیے کوئی چیز نہیں لاسکتا کیوں کہ اسے برابری کرنے کے لیے سب کے لیے وہ چیز لانا پڑتی ہے۔

☆ بعض افراد اپنے دوستوں سے ملنے کے بہانے اپنے بیوی بچوں کو لے کر سیر سپاٹے کے لیے نکل جاتے ہیں اور ہوٹلوں اور پارکوں میں بیٹھ کر من پسند کھاتے پیتے ہیں۔

☆ دوسروں سے خفیہ بچوں کو جو کچھ لا کر دیتے ہیں اس کے متعلق بچوں کو تاکید کرتے ہیں کہ دوسروں کو مت بتانا۔ یا پھر کوئی بہانہ گھڑ کر انہیں سکھا دیا جاتا ہے۔

☆ مشترکہ رہائش میں ہر فرد دوسرے کے لباس، کپڑے، کھلونے، برتن، زیور غرض ہر چیز کے متعلق یہ جاننا چاہتا ہے کہ یہ کہاں سے آیا؟ کون لایا؟ جب تسلی بخش جواب نہ ملے تو بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔

☆ سست اور کاہل افراد کمانے کی فکر ہی نہیں کرتے، ان کو پتا ہوتا ہے کہ مشترکہ اخراجات میں سے روکھی سوکھی اور کم ہی سہی ان کے اور ان کے بیوی بچوں کے

اخراجات پورے ہوتے رہیں گے۔ اس لیے وہ مزید غیر ذمہ دار اور کاہل بنتے جاتے ہیں۔

★ گھر کی چیزیں مشترکہ ہونے کی وجہ سے انہیں احتیاط سے استعمال نہیں کیا جاتا۔ نتیجہ یہ کہ گھر کے افراد مال اور سامان برباد کرنے میں لگے رہتے ہیں اور مالی امور کے سربراہ انہیں بنانے میں لگا رہتا ہے۔

★ بعض گھروں میں بچوں اور عورتوں کو چند روپوں کی چیز کے لیے بھی مالی امور کے سربراہ سے رجوع کرنا پڑتا ہے گو بعض گھروں میں ہر فرد کو اس کا ماہانہ ذاتی خرچہ الگ الگ دینے کی بھی روایت موجود ہے۔

★ گھر میں جب کثیر اخراجات کے کام درپیش ہوں تو پھر دل کھول کر خرچ کیا جاتا ہے نتیجہ یہ کہ کمانے والوں کو لگاتار محنت کرنا پڑتی ہے۔ جب کہ الگ گھر کی صورت ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کرتا ہے۔

★ بعض افراد سب سے پہلے کمانا شروع کرتے ہیں لیکن کبھی تقسیم کا موقع آ بھی جائے تو انہیں دیر میں کمانا شروع کرنے والوں کے برابر ہی جائیداد ملتی ہے۔ اس طرح ان کی حق تلفی ہوتی ہے۔

★ بعض افراد کما کما کر باپ کو بھیجتے رہتے ہیں، باپ اپنے نام سے جائیداد خریدتا ہے لیکن جب باپ فوت ہو جائے تو دوسرے بھائی برابر کے حصہ دار بن جاتے

ہیں۔

☆ بعض افراد نے زیادہ کمایا اور سربراہ کے حوالے کرتے رہے۔ وہی فرد فوت ہو گیا اب اس کے بیوی بچوں کو جائیداد سے یہ کہہ کر محروم کر دیا جاتا ہے کہ تمہارے باپ کے نام تو کوئی جائیداد ہی نہیں گو بعض گھروں میں انہیں جائیداد دی بھی جاتی ہے لیکن کسی حساب اور انصاف کے بغیر۔

☆ بعض گھروں میں زبردست افراد اپنے لیے بہت کچھ حاصل کر لیتے ہیں اور نرم مزاج لوگ نقصان برداشت کرتے ہیں۔

☆ بعض گھروں میں والدین کی زندگی ہی میں زبردستی ان سے وراثت کا حصہ وصول کر لیا جاتا ہے حالانکہ وراثت تو مرنے کے بعد ہی منتقل کی جاتی ہے۔

☆ اسلام نے بیوی بچوں کے اخراجات مرد کے ذمہ رکھے ہیں لیکن مشترکہ رہائش میں ان کے اخراجات کو مالی امور کا سربراہ پورے کرتا ہے۔

☆ مالی امور کا سربراہ اپنی طرف سے سب کا بھلا سوچتا ہے لیکن ماتحت افراد سے خوب گھسیٹتے ہیں اور ہر وقت مالی امور کے حوالے سے جھگڑتے رہتے ہیں۔

وقت کا ضیاع:

مشترکہ رہائش میں کوئی فرد اپنی ذمہ داریوں کا خود تعین نہیں کر سکتا بلکہ اگر وہ صاحبِ اختیار ہے تو اسے سب کی ذمہ داریوں کا تعین کرنا ہے۔ اگر وہ آمر ہے تو

صرف حکم دے گا اگر وہ مشورہ لے کر کام کرنے والا ہے تو چھوٹے سے کام کے لیے بھی ہر ایک سے مشورہ کرے گا، اور اگر وہ صاحبِ انصاف ہے تو شاید کچھ انصاف بھی کرے لیکن اس کے منصفانہ فیصلے پر سب رضا مند بھی ہوں گے یہ ناممکن ہے۔ اگر وہ ماتحت ہے تو دوسرے کی طرف سے عائد کی گئی پابندی خوش دلی سے نباہے یہ بہت کم ہوتا ہے، اکثر بے دلی سے ذمہ داری نباہی جاتی ہے۔

مشترکہ رہائش میں جب "بڑے" کام میں مصروف ہوں تو چھوٹوں کو آرام کرنا یا اپنا ذاتی کام کرنا برا محسوس ہوتا ہے۔ بعض چھوٹے بے ادب ہوتے ہیں لہٰذا یہ سوچے بغیر کہ بڑے کام کر رہے ہیں وہ ڈٹ کر آرام کرتے ہیں یا اپنی مرضی کا کام کرتے ہیں، ڈھیٹ اور نکمے افراد پکی پکائی کھانے اور دُھلا دُھلایا پہننے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

یوں جو وقت انسان کے پاس سب چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے اسے ضائع کرنے کا جرم ہوتا رہتا ہے۔

الگ رہائش میں کوئی کام کم کرے، یا انہیں بڑھائے، وقت پر کرے یا دیر سے، اس کا فائدہ یا نقصان صرف اسی کو ہوتا ہے لیکن بڑے گھر میں کسی ایک کی غفلت کا بعض اوقات سب لوگوں کو خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔

صلاحیتوں کا ضیاع:

الگ رہائش میں سمجھ دار اور پڑھے لکھے دین دار افراد اپنے وقت اور کام کی بہتر منصوبہ سازی کر کے دیگر مفید اور تعمیری کاموں کے لیے وقت نکال لیتے ہیں مثلاً درس و تدریس، مزید تعلیم حاصل کرنا، کسی دینی جماعت میں شامل ہو کر کام کرنا، کوئی ہنر سیکھنا، کسی رفاہی کام میں حصہ لینا، لیکن مشترکہ رہائش میں بہت کم گھرانے ہوتے ہیں جو کسی فرد کو ان کاموں کے لیے موقع فراہم کرتے ہوں، اکثر خواتین اور مرد چاہتے ہوئے بھی گھر کے پھیلے ہوئے کاموں میں اور تقریبات وغیرہ میں الجھے رہتے ہیں اس طرح ان کی وہ صلاحیتیں جن کے ذریعے وہ اپنی آخرت کے لیے کچھ جمع کر سکتے تھے یا اپنی قوم کو فائدہ پہنچا سکتے تھے وہ سب ضائع ہو جاتی ہیں۔

مال کا ضیاع:

مشترکہ رہائش میں کمائی کسی کی ہوتی ہے اور تصرف کا حق کسی اور کے پاس ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی بھی قناعت اور کفایت سے خرچ نہیں کرتا۔

☆ پانی، بجلی، صابن، تیل ہر چیز کا ضرورت سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔

☆ اگر ایک بچے نے کوئی چیز لینا ہو یا اسے لے کر دیں یا کسی ایک فرد کے کپڑے بنانے ہوں تو سب کے لیے بنانے پڑتے ہیں۔

☆ اگر ایک شخص کے بچے اعلیٰ اسکول میں پڑھتے ہیں تو سب کو اعلیٰ سکول میں

داخل کرانا پڑتا ہے۔

☆ کسی ایک شخص کی شادی، ولادت یا کسی کے متعلقہ رشتہ دار کے ہاں کسی موقع پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے وہ سب کے لیے کرنا پڑتا ہے۔

☆ اگر ایک شخص کے سفر کے لیے اچھی سواری کا انتظام کیا جاتا ہے تو یہ سب کے لیے کرنا پڑتا ہے۔

☆ روزانہ سب کے لیے کھانے پینے کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ گھر الگ الگ ہوں تو اچار چٹنی سے بھی کھا کر یا کسی وقت بغیر کھائے بھی گزارا کیا جا سکتا ہے۔

☆ ہر چھوٹے چھوٹے کام کے لیے سربراہ کو خاصا اہتمام اور خاصا خرچ کرنا پڑتا ہے۔

وراثت کی تقسیم میں کوتاہیاں:

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تاکید کی کہ جب کوئی شخص انتقال کر جائے تو اس کے ترکے میں سے اس کا قرض، اس کی مانی ہوئی منت یا اس کی کی ہوئی وصیت نیز اس کا قرض ادا کرنے کے بعد بقیہ ترکہ ورثا میں تقسیم کر دیا جائے یہ کام جتنی جلدی ممکن ہو انجام پانا چاہیے۔

مشترکہ رہائش میں اس حوالے سے مندرجہ ذیل کوتاہیاں کی جاتی ہیں۔

☆ وراثت کی تقسیم جلدی کرنے کی بجائے کئی نسلوں تک ملتوی کر دی جاتی ہے۔

☆ مرنے والے کے مال میں سے ہی اس کے قل اور برسیاں وغیرہ کی جاتی ہیں حالانکہ وہ مال میت کے ورثاء کا ہوتا ہے اور اس پر بغیر تقسیم کیے کسی کا تصرف کرنا جائز نہیں۔

☆ کاروبار اور گھر کی چیزیں مشترک ہونے کی وجہ سے یہ طے نہیں ہوتا کہ اس میں کس کس کا کتنا کتنا حصہ ہے؟

☆ کوئی بھی زمین، دکان، یا کوئی چیز خریدتے وقت یہ فیصلہ نہیں کیا جاتا کہ یہ کس کی ملکیت ہوگی؟

☆ اگر کوئی یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ فلاں زمین، دکان اس نے اپنے ذاتی پیسے سے یا محنت سے خریدی ہے تو دوسرے بھائی بھی اس پر اپنا حق جمانے لگتے ہیں۔

☆ مرنے والے کے اگر بیوہ اور بچے ہیں تو بعض گھروں میں انہیں کچھ بھی نہیں دیا جاتا۔ اگر گھر کے معاملات کا ذمہ دار انہیں مہربانی کر کے کچھ دے دے تو پورے خاندان میں اس کی واہ واہ ہوتی ہے۔ حالانکہ سربراہ کو خوب معلوم ہوتا ہے کہ اس جائیداد میں بیوہ کے شوہر اور بچوں کے باپ کی کمائی یا جائیداد بھی شامل ہے۔

☆ بیٹیوں کو عموماً حصہ نہیں دیا جاتا لیکن ان کا جہیز بنانے کے لیے گھر کے ہر کمانے والے کو اپنی کمائی لگانا پڑتی ہے۔

☆ اگر بیٹیاں یا بہنیں اپنے حصے کا مطالبہ کریں تو ان سے بھائی ناراض ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم سے آئندہ کسی حسنِ سلوک کی امید نہ رکھنا۔

☆ مشترک گھروں میں اکثر بچے اور کمزور عورتیں اور مرد ایسے ہوتے ہیں جن کے کسی قریبی مرنے والے کی جائیداد میں سے حصہ اس گھر میں شامل ہوتا ہے لیکن وہ اس کے باوجود کس مپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

☆ جائیداد کو تقسیم ہونے اور خاندان سے باہر جانے سے روکنے کے لیے بے جوڑ شادیاں کی جاتی ہیں۔(تفصیل کے لیے دیکھیے تقسیمِ وراثت اور ہمارا معاشرہ)

راز راز نہیں رہتے:

ہر خاتون کے رشتہ دار یا میکے والے الگ الگ ہوتے ہیں، ان کا اپنی بیٹی اور بہو سے تعلق سب سے زیادہ قریبی ہوتا ہے۔کئی مسائل ایسے ہوتے ہیں جنہیں وہ راز میں رکھنا چاہتے ہیں اور انہیں اپنی بیٹی یا بہن سے اس مسئلے کے بارے میں رائے بھی لینا ہوتی ہے۔مشترکہ گھر میں آ کر وہ اپنے مسئلے کو کتنا ہی راز میں رکھنا چاہیں راز نہیں رہتا۔افراد میں یہ عادت بھی ہوتی ہے کہ وہ کسی کے راز یا مسئلے کو اپنے قریبی رشتہ داروں اور دوستوں یا سہیلیوں تک پہنچا دیتے ہیں اس طرح معمولی بات بھی آناً فاناً پھیل کر انتہائی سنگین شکل اختیار کر جاتی ہے۔اس قسم کے ذاتی مسئلوں کے بارے میں کئی قسم کے سوال گھر کے دیگر افراد کے ذہنوں میں

اٹھنے لگتے ہیں، مثلاً فلاں کا بھائی یا بہن رات گئے کیوں آیا؟ اس کے تو اپنے گھر میں حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ نکل سکتا، یہ بے موقع آنا کسی ''خاص بات'' کی نشان دہی کرتا ہے۔ چپکے چپکے راز داری سے نامعلوم کیا باتیں ہو رہی تھیں؟ نیز ایک دوسرے سے کھوج کرید کرنے کی بھی پوری کوشش کی جاتی ہے۔

جب کہ اسلام نے کسی دوسرے کے معاملات کے بارے کھوج کرید کرنے سے سختی سے منع کیا ہے اور اسے گناہِ کبیرہ قرار دیا ہے۔ حکمِ ربانی ہے:

وَلَا تَجَسَّسُوْا۔ ''ایک دوسرے کی ٹوہ نہ لگایا کرو۔'' (الحجرات:۱۲)

اگر الگ رہائش ہو تو صرف ایک گھر ہی نہیں بلکہ کتنے ہی گھروں کے راز راز رہتے ہیں، ورنہ ساس کے میکے والے، نندوں کے سسرال، ہر بہو کے میکے والے غرض کئی خاندان غیر متعلقہ افراد کے رازوں سے واقف ہو جاتے ہیں۔

عورتوں میں تجسس کی عادت ہوتی ہے کون آیا؟ کیوں آیا؟ سچ بولو تو بعض باتیں چھپانے والی ہوتی ہیں، جھوٹ بولو تو یہ جھگڑا کہ ہم پر اعتماد نہیں، ہم کوئی دشمن ہیں، ہم سے جھوٹ بولا، وغیرہ وغیرہ۔

احسان جتانا:

مشترکہ رہائش میں ہر شخص دوسرے کے کام اس لیے آتا ہے کہ وہ دوسروں پر یہ واضح کر سکے کہ وہ بہت ہمدرد اور غم گسار ہے۔ نتیجہ یہ کہ اخلاص سے کام کرنے

کی بجائے سرسری طور پر گونگلو سے مٹی جھاڑنے کی طرح کام کیا جاتا ہے۔

ساس ہر آنے جانے والے کو بتاتی ہے کہ میں نے بہو کے لیے یہ کیا، بیٹے کے لیے یہ کیا، پوتیوں پوتوں کا یہ یہ کام کیا، داماد اور بیٹی کے لیے یہ کیا، غرض ایک طویل فہرست کاموں کی بار بار جتائی اور بتائی جاتی ہے، اسی طرح بہو صاحبہ بھی ہر آئے گئے کو بتاتی ہیں کہ میں نے فلاں فلاں کام کیے ہیں۔

دل چسپ بات تو یہ ہے کہ گھر کے ہر فرد کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ اس نے فلاں کام کیا ہے، جب کہ وہ کام بظاہر معمولی ہوتا ہے۔

بڑی بہوئیں جب بھی گزرے دنوں کا ذکر کرتی ہیں کہتی ہیں، میں نے اپنے دیوروں کو پالا، ان کو تعلیم دلائی، اپنی نندوں کی شادیاں کیں، انہیں تعلیم دلائی، دیوروں کی بیویوں کو میں نے اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی طرح ساتھ رکھا، ان کے ہر قسم کے کام کیے، ان کی زچگیاں بھگتائیں، ان کے میکے آتے تو ان کی خدمت میں دن رات ایک کر دیتی۔

بعض حالات میں تو مائیں بھی ان بچوں کی زندہ ہوتی ہیں، اور ماں کی موجودگی میں یہ کہنا کہ میں نے پالے ایک ان ہونی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. (آل عمران:۱۸۸)

”نہ گمان کیجیے ان لوگوں کے متعلق جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے ایسے کاموں پر تعریف ہی کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے کہ وہ عذاب سے نجات پالیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

چھوٹی بہوئیں احسان جتاتی ہیں کہ ہم نے ساس اور سسر کی خدمتیں کیں، جیٹھ جیٹھانی کے سامنے کبھی زبان نہیں کھولی، اور گھر کے ہر فرد کی خدمت کی ہے۔

اسی طرح گھر کے مرد باہم معاملات میں اسی قسم کے دعوے کرتے اور احسان جتاتے ہیں، یوں لگتا ہے کہ مشترکہ رہائش میں ہر کام نہ تو ضرورت کے لیے کیا جاتا ہے اور نہ ہی اللہ کے لیے بلکہ صرف دکھانے اور جتانے کے لیے کیا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

جو شخص لوگوں کو سنانے کے لیے نیک کام کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کی ذلت لوگوں کو سنا دے گا اور جو شخص ریا کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کو دکھلا دے گا۔

(صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب تحریم الریا)

مشترکہ رہائش میں جو سمجھ دار اور فکرِ آخرت سے بہرہ ور شخص اللہ کے لیے دوسروں کا کام کرے، جتائے نہیں، اس پر چرب زبان افراد مزید چڑھائی کر دیتے ہیں، اسے چپ رہ کر ڈنگ مارنے والا کہا جاتا ہے، اس کی اللہ کے لیے دیے گئے حوالوں پر بھی طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔

جھوٹ بولنا:

مشترکہ رہائش میں جھوٹ بولنا ناگزیر ہے ورنہ گزارہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جھوٹ کی بعض صورتیں مندرجہ ذیل ہوتی ہیں:

☆ کمانے والے افراد کا اپنی اصل آمدنی یا تنخواہ کے بارے میں جھوٹ بولنا اور کم بتانا

☆ عورتوں کا اپنے پاس پیسے ہوتے ہوئے بھی گھر میں کوئی ضرورت پڑنے پر کہنا کہ میرے پاس پیسے نہیں

☆ جو کام نہیں کیا اس کا بھی دعویٰ کرنا کہ میں نے کیا ہے۔

☆ گھر کے دوسرے افراد کے ساتھ بناوٹی ہمدردی اور محبت کا مظاہرہ کرنا

☆ بعض اوقات جھوٹ موٹ بیماری کا بہانہ بنالینا تا کہ کام نہ کرنا پڑے

☆ گھر والوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور توجہ حاصل کرنے کے لیے بیمار بن جانا

☆ اپنے میکے والوں کی بے جا تعریفیں کرنا اور یہ کہنا کہ انہوں نے مجھے یہ یہ دیا ہے حالانکہ انہوں نے نہیں دیا ہوتا

☆ گھر والوں سے چھپ چھپا کر میاں بیوی کا کوئی ذاتی کام کرنا، سیر و تفریح کرنا یا ہوٹلوں میں کھانے کے لیے نکل جانا اور گھر والوں سے کسی سے ملنے کا یا کوئی اور

بہانہ بنالینا

☆ کوئی نقصان ہو جائے تو سزا کے خوف کی وجہ سے جھوٹ بول دینا کہ میں نے یہ نقصان نہیں کیا

☆ جھوٹ بول کر ایک کی باتیں دوسرے تک پہنچانا

☆ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے جھوٹ بولنا

غیبت کرنا:

غیبت کرنے کی شدت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ. (الحجرات:۱۲)

"اور کوئی تم میں سے کسی کی غیبت نہ کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

غیبت سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کی اس کی غیر موجودگی میں کوئی ایسی بات کی جائے جس سے اس شخص کی تحقیر ہوتی ہو، اس کی کسی خامی کا اعلان ہوتا ہے یا اس کا مذاق اڑانے کا اشارہ شامل ہو، چاہے یہ کام الفاظ و زبان کے ذریعے ہو، چاہے ہنسی اور اشاروں کے ذریعے، چاہے کسی اور حرکت کے ذریعے۔

مشترکہ رہائش میں نند بھابھی ہوں یا ساس بہو، دیور بھابھی کی گفتگو ہو یا میاں بیوی کی، گھر میں آنے والے مہمانوں کے ساتھ بات چیت ہو یا کسی دوسری گھر کی عورت کے میکے والوں کے ساتھ، کسی سہیلی کے ساتھ بیٹھے ہوں یا باہر دفاتر میں، غیبت کسی نہ کسی طرح زبانوں پر آ ہی جاتی ہے۔

ساس بہو کی ہزار ہا خرابیاں بیان کر کے جب تھک جاتی ہے یا اٹھ کر کسی کام میں لگنا چاہتی ہے تو جو ساس سمجھدار ہو تو وہ کہتی ہے ویسے میری بہو ہے بہت اچھی، اونچ نیچ گھروں میں ہو ہی جاتی ہے، جو ساس زیادہ ہی بھری بیٹھی ہو وہ ساتھ ساتھ کوسنے بھی دیتی جاتی ہے۔

بہوئیں مل کر بیٹھتی ہیں تو ان کا موضوع گفتگو ساس، سسر اور شوہر صاحبان ہوتے ہیں، ان میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر کیڑے تلاش کیے جاتے ہیں اور ان کی عادات کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔

غیبت اس قدر عام ہوتی ہے کہ بچے بھی ماں باپ سے سنے ہوئے لفظوں کے ساتھ بڑوں کی دل کھول کر غیبت کرتے ہیں۔

بدگمانی کرنا:

قرآن حکیم میں باہم بدگمانی کرنے سے بھی سختی سے روکا گیا ہے لیکن مشترکہ رہائش کا یہ لازمی حصہ ہے۔

☆ ایک دوسرے کی بات سن کر اس کا کوئی من پسند یا اپنی بدگمانی کے مطابق مفہوم لے لینا۔

☆ شوہر پر بیوی کی بدگمانی کہ وہ بیوی کی بجائے دوسروں کا زیادہ خیال رکھتا ہے۔

☆ شوہر کی بیوی پر بدگمانیاں

☆ ساس کی بیٹے پر، بہو پر اور ان کے بچوں پر بدگمانی

☆ سسر کی بہو اور بیٹوں پر بدگمانی

جس پر بدگمانی ہو اس کی ہر حرکت، ہر بات اور ہر لفظ کا مفہوم کچھ اس طرح موڑ توڑ کر اپنے گمان کے مطابق ڈھالا جاتا ہے کہ شیطان جیسا فریبی بھی چکرا کر رہ جائے۔

باہم فخر جتانا:

مشترکہ رہائش میں اپنے آپ کو برتر ثابت کرنے کے لیے جھوٹ اور خیالی باتوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ عورتیں اپنے اپنے میکے والوں کی خوبیاں اس طرح گنواتی ہیں جیسے دنیا میں صرف یہی لوگ ہیں جن میں نہ کوئی عیب ہے نہ کوئی نقص، جو بڑے سخی اور کریمانہ عادتوں کے مالک ہیں، جو دے دے کر اپنی بیٹیوں کے گھر بھر دیتے ہیں۔

عیب چینی:

مشترکہ رہائش کی یہ خرابی بھی ناگزیر ہے۔ ایک شخص کو دوسرے کا کام کیا ہوا پسند نہیں آتا، بہو جس انداز سے کپڑے دھوتی اور تاروں پر ڈالتی ہے ساس کو اس انداز میں نقص ہی نقص نظر آتے ہیں، بہو کا پکانا، دھونا، صفائی کرنا، سبزی بنانا، آٹا گوندھنا، دال چننا، برتن ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھنا غرض ہر کام اور ہر طریقہ ساس اور نندوں کی نظروں میں انتہائی گھٹیا اور ناقص ہوتا ہے۔

پڑھی لکھی ساسیں اپنی بہوؤں کے بارے میں یہ کہتی ہیں کہ ان کی بہو کی کسی نے تربیت نہیں کی اور جو ساسیں پڑھی لکھی ہونے کی بجائے اجڈ ہیں وہ کہتی ہیں اینہوں تے کوئی چج ای نہیں! ماں نے کج دسیا بجھیا ای نہیں۔

ادھر دنیا کی ہر بہو کو اپنی نند اور ساس کے ہر کام اور بات میں کیڑے نظر آتے ہیں۔ وہ ساس نند یا جٹھانی کی کسی بھی بات پر بڑی حقارت کے ساتھ کہتی ہیں یہ کیا کر رہی ہو؟ یہ کیا کہہ رہی ہیں، ہمارے یہاں تو ایسا نہیں ہوتا۔ یہ بھی کوئی طریقہ ہے کام کرنے کا! اس طریقے سے یہ کام کرتے ہیں۔

بہت نیک، پارسا، مہذب اور سمجھ دار ساسیں بھی بہو میں عیب تلاش کرنے سے اپنے آپ کو نہیں روک سکتیں اور بڑی فرماں بردار، پرہیزگار، بہوؤں کا ساس اور نندوں کے کاموں یا باتوں کو حقارت سے ٹھکرا دینا ایک عام بات ہے۔

ٹوہ لگانا:

مشترکہ رہائش میں ایک دوسرے کی ٹوہ میں لگے رہنا خواتین کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے۔ جب کہ اکثر مرد بھی یہ مشغلہ پسند کرتے ہیں ٹوہ کے انداز بھی نرالے ہی ہوتے ہیں مثلاً

☆ روزانہ کوڑا دیکھ کر یہ ٹوہ لگانا کہ کس نے کیا کھایا تھا، تھیلے اور چھلک، ریپر بتا دیں گے

☆ ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیز کو غور سے دیکھنا یا سرسری سا دیکھ کر بظاہر اجنبی بن جانا اور بعدازاں ٹوہ لگانا کہ تھیلے میں کیا آیا تھا۔

☆ جب کوئی اپنے کمرے میں اپنی کسی سہیلی، ملنے والی یا کسی مہمان سے بات کر رہی ہو تو جان بوجھ کر کسی کام کے بہانے جا ٹپکنا، یا بچوں کو کسی کام کے بہانے بھیجنا اور پھر ان سے سوالات پوچھنا

☆ میاں بیوی خلاف معمول اپنے کمرے میں دیر لگا دیں تو پتا چلانا کہ وہ کیا کر رہے تھے؟

☆ غسل خانوں میں گرے ہوئے پانی یا گرنے کی آواز سے اندازہ لگانا کہ کون نہا رہا تھا؟

☆ کمرے والے کی غیر موجودگی میں اس کی تمام چیزوں کی تلاشی لینا اور دیکھنا

★ اگر گھر کا کوئی فرد بیوی بچوں سمیت کہیں جائے تو یہ کھوج لگانا کہ وہ کہاں گیا تھا۔

★ ایسی جگہ اپنی نشست رکھنا، جہاں سے ناپسندیدہ افراد کی مصروفیات پر نظر رکھ سکیں۔

★ بوڑھوں کا جان بوجھ کر بہرے بن جانا تاکہ اگر بہرا سمجھ کر کوئی ان کے خلاف بات کرے تو اسے سن سکیں۔

مشترکہ رہائش کے بچوں پر اثرات:

مشترکہ رہائش میں بچوں پر مندرجہ ذیل اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

★ بعض گھروں میں ماں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ گھر کے کام وقت پر کرے۔ نتیجہ یہ کہ بچہ بھوکا روتا رہے، اسے صاف کرنا یا اس کے دیگر کام کرنا یہ سب بالائے طاق رہ جاتا ہے۔

★ بعض گھروں میں گھر کے تمام افراد ہی ناسمجھ ہوتے ہیں اور وہ بچوں کو اپنی ہر قسم کی منفی سرگرمیوں میں شامل کر لیتے ہیں، جیسے غیبت کرنا، ٹوہ لگانا، جھوٹ بولنا، نتیجہ یہ کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی پکے جھوٹ بولنے والے اور مکاری کرنے والے بن جاتے ہیں۔

★ بعض گھروں میں اکثر افراد کچھ سمجھ دار ہوتے ہیں وہاں ایسی بدتہذیبی کا

مظاہرہ تو نہیں ہوتا لیکن بچے بہر حال ماں باپ، دادا دادی اور چچا چچی، یا کزنوں کے رویے بدلے بدلے دیکھ کر ان سے بدظن ہو جاتے ہیں۔

☆ بعض گھروں میں بچوں کو تہذیب سکھانے میں دادا کا خیال کچھ اور ہے اور دادی کا کچھ اور، چچا کچھ اور کہتے ہیں اور پھوپھی کچھ اور۔ ابو کوئی اور بات کہتے ہیں اور امی کچھ اور نتیجہ یہ کہ بچے کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کس کی بات مانے اور کس کی نہ مانے، نتیجہ یہ کہ وہ سب ہی سے باغی ہو جاتا ہے۔

☆ اگر بچوں کا باپ کم کماتا ہو یا ان کی ماں گھر والوں میں منظورِ نظر نہ ہو تو وہ بچے بھی کم تر جانے جاتے ہیں۔ ان کی گھر میں حیثیت دوسرے بچوں کی نسبت کم تر ہوتی ہے۔ یہ ناہمواری بچوں کی شخصیت اور اخلاق کو تباہ کر دیتی ہے۔

☆ بچوں کو خوب و ناخوب سمجھانا والدین کی ذمہ داری ہے۔ گھر کے دیگر افراد کو اگر اس کا احساس نہ ہو تو وہ بچوں کو ناشائستہ الفاظ اور حرکات سکھا دیتے ہیں لیکن والدین انہیں روک نہیں سکتے، ایسا کرنے سے ان کے ناراض ہونے کا خدشہ ہوتا ہے یوں بچے ناشائستہ حرکات بھی سیکھ جاتے ہیں۔

☆ گھر چھوٹا ہو اور افراد زیادہ اور غسل خانے یا کمرے بھی مشترکہ ہوں تو نئے شادی شدہ افراد (میاں بیوی) کی حرکات دیکھ دیکھ کر بچے قبل از وقت حیادارانہ باتوں سے بھی واقف ہو جاتے ہیں بلکہ بعض گھروں میں تو وہ اس کے عملی تجربے

بھی کر گزرتے ہیں۔ جب کہ اسلام بچوں کو معصوم اور بھولا بھالا رکھنے کی تائید کرتا ہے اور اسی لیے اس نے ستر و حجاب اور استیذان کے احکامات کو فرض قرار دیا ہے اور جن کا ایک حصہ الگ رہائش بھی ہے۔

معمولات کا ایک دوسرے سے بندھا ہونا:

مشترکہ رہائش میں تمام افراد ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوتے ہیں مثلاً

☆ اگر گھر کے افراد دیر سے سونے کے عادی ہیں تو جلد سونے والے کو بھی دیر سے سونا پڑتا ہے۔

☆ اگر ایک فرد سادگی پسند ہے تو اسے بھی سب کے ساتھ پر تکلف زندگی گزارنا پڑتی ہے۔

☆ اگر ایک شخص گھر میں بے ہودہ چیزیں مثلاً ٹی وی، کیبل، تصویریں نہیں رکھنا چاہتا تو بھی وہ ایسا نہیں کرسکتا۔

زیادہ افراد زیادہ مشورے:

گھر کے ہر فرد کے مشورے کو ہر کام میں شامل کرنا پڑتا ہے چاہے وہ کسی فرد کا ذاتی کام ہی کیوں نہ ہو مثلاً

☆ بچے کی شادی کس عمر میں کی جائے

☆ رشتہ کہاں کیا جائے

☆ بچے کس اسکول میں داخل کرائے جائیں؟

☆ کیا پکایا جائے؟

☆ گھر میں فلاں چیز کیسی لائی جائے؟

☆ کسی کی دعوت کب کی جائے؟

☆ کسی کی دعوت کو قبول کیا جائے یا رد کیا جائے؟

☆ مکان یا سواری وغیرہ کیسی خریدی جائے؟

زیادہ مشوروں کی وجہ سے اکثر کام التوا میں پڑے رہتے ہیں کیوں کہ گھر کے تمام لوگ کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہوتے اور اگر کوئی شخص چند اشخاص اپنی مرضی سے کسی کام کا فیصلہ کر لیں تو دوسرے افراد ناراض ہو جاتے ہیں کہ ہمیں مشورے کے قابل نہیں سمجھا گیا۔

❀❀❀

مشترکہ رہائش، مشترک سہولتیں

مشترکہ رہائش میں گھر بھر کے تمام افراد کے لیے سہولتیں مشترک ہوتی ہیں جس سے بظاہر یہ لگتا ہے کہ ''بچت'' ہو رہی ہے۔ لیکن دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف غصہ پلتا رہتا ہے۔

مشترک غسل خانہ:

غسل خانہ ہر گھر کی بنیادی ضرورت ہے۔ جب یہ صرف میاں بیوی یا ان کے بچوں کے تصرف میں ہو تو کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا لیکن جب گھر میں کئی طرح کے افراد ہوں تو بہت سے مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص قضائے حاجت کے لیے گیا لیکن اسی وقت دوسرے کو بھی حاجت محسوس ہو رہی ہے، ممکن ہے اندر والے شخص کو کچھ دیر ہو جائے جیسے جیسے انتظار زیادہ ہوتا جائے گا باہر والے شخص کے دل میں اندر والے شخص کے خلاف غصے کی کیفیت پیدا ہوتی جائے گی خاص طور پر اگر اندر جانے والا کوئی خونی رشتہ دار بھی نہ ہو دیور، بہنوئی، بھابھی یا ساس کوئی عزیز یا نند کا کوئی رشتہ دار وغیرہ۔

یہی حال غسل کا ہے۔

مشترک باورچی خانہ:

ہر شادی شدہ عورت کا یہ حق ہے کہ اس کی کھانا پکانے کی جگہ اس کے اپنے اختیار میں ہو، کیونکہ دورِ حاضر میں باورچی خانہ صرف اس جگہ کا نام نہیں جہاں چولہا رکھا ہوتا ہے اور کھانا تیار کیا جاتا ہے بلکہ باورچی خانے میں ہی تمام کھانے پینے کی اشیاء ہوتی ہیں۔ ہر قسم کے برتن، برتن دھونے کا نل، بعض باورچی خانوں میں ہی کھانا کھانے کے لیے بھی جگہ بنائی جاتی ہے بعض باورچی خانوں میں ہی فریج بھی رکھا ہوتا ہے۔

باورچی خانے کی چیزوں کو اپنی پسندیدہ ترتیب کے مطابق رکھنا، کھانا اپنی پسند کے طریقے سے تیار کرنا، کھانے کے لیے اپنی پسند کے برتن استعمال کرنا، باورچی خانے کی صفائی وغیرہ تمام امور میں ہر عورت کا مزاج اور انداز دوسری عورت سے مختلف ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ماں بیٹی کا مزاج بھی باورچی خانے کے معاملے میں آپس میں نہیں ملتا۔

جب ایک ہی باورچی خانے میں گھر کی تمام عورتیں کام کرتی اور کھانا پکاتی ہیں تو کوئی بھی ان میں سے باورچی خانے کی صفائی یا سلیقے کا خیال نہیں رکھتی، اسے یہ خیال ہوتا ہے کہ فلاں خاتون کر لیں گی ...... یا یہ کہ جب ایک بار بھونے چیزیں

سنبھالیں تو ساس کو وہ طریقہ پسند نہ آیا اور اس نے اس ترتیب کو بدل دیا، نتیجہ یہ کہ بہو نے برتن سمیٹنے اور انہیں ترتیب سے رکھنا ہی چھوڑ دیا۔

کھانا تیار کرنے والی بہت زیادہ برتن دھونے والے کر دیتی ہے کیونکہ اسے پتا ہوتا ہے کہ برتن میں نے خود نہیں دھونے بلکہ فلاں خاتون نے یا ملازمہ نے دھونے ہیں۔ اس طرح کام کا بوجھ بڑھتا اور باہم منافقت اور نفرت بھی جنم لینے لگتی ہے۔

باورچی خانہ صرف ایک عورت کے ہاتھ میں ہو تو وہ کم سے کم برتن گندے کرتی ہے، جو چیز جہاں سے لیتی ہے وہیں رکھتی ہے، کیونکہ اسے یہ پتا ہوتا ہے کہ دوسرا کام بھی اسی نے کرنا ہے لہٰذا وہ صفائی اور سلیقہ کو اپنے کاموں میں اولین ترجیح دیتی ہے۔

ایک ہی باورچی خانے میں جب کئی خواتین مل کر کام کرتی ہیں تو انہیں ایک دوسرے کا پکانے کا انداز بھی پسند نہیں آتا، دوسری خاتون کے طریقے اور انداز پر اعتراض ہوتا ہے سبزی کاٹنا، مصالحہ پیسنا، آٹا گوندھنا، ہنڈیا بھوننا، چاول چننا غرض ہر کام ایک ہی جگہ پر کرنے کی وجہ سے ایک دوسرے کے انداز سے نفرت پیدا ہونے لگتی ہے۔

مشترک کھانا:

مشترک رہائش میں ہر شخص پابند ہوتا ہے کہ لگے بندھے نظام کے مطابق جب اور جو کچھ پکے وہ کھالے۔ حالانکہ ہر انسان کی عادت یا بھوک لگنے کا وقت

مختلف ہوسکتا ہے۔ اگر وقت سے پہلے کسی کو بھوک لگ جائے اور وہ کچھ بنا کر یا موجود پھل یا کھانے کی چیزوں میں سے کچھ کھالے تو اسے ندیدے، بھوکے، بے صبرے کا خطاب ملتا ہے۔ گھر میں بوڑھے، بچے اور حاملہ خواتین کو بھوک بے وقت لگتی ہے اور وہ اسے برداشت بھی نہیں کر سکتے۔ بعض مشترکہ رہائشوں میں نہ چاہتے ہوئے بھی ایک ہی قسم کے کھانے پر سب کو اکتفا کرنا پڑتی ہے۔

بعض مشترکہ رہائشوں میں سارا دن کھانے پکانے کا دور ہی چلتا رہتا ہے، کبھی کسی کے لیے چائے بن رہی ہے، کبھی کسی کے لیے سلائس، کسی کے لیے انڈا اور کسی کے لیے سبزی، دورِ حاضر میں کھانے کو لوگوں نے ویسے بھی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے۔ ابھی ناشتہ کر کے فارغ ہوئے تو پتا چلا کہ سسر صاحب مچھلی لے آئے ہیں، ابھی مچھلی پکی نہیں کہ دیور کے دوست آ گئے ان کے لیے چائے بنانا ہے۔ ابھی اس سے فارغ نہیں ہوئے تو چھوٹی بہو کے رشتہ داروں میں سے کوئی آ گیا، بچے الگ ضد کر رہے ہیں کہ انہیں فلاں چیز بنا دی جائے۔ غور کیا جائے گھر میں پکانے والی خواتین کی ان میں سے صرف اپنے اپنے تعلق دار کے لیے تو کوئی دل چسپی ہو سکتی ہے باقی سب کے لیے سوائے نفرت اور زبردستی بیگار بھگتانے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

مشکل تو یہ ہے کہ اس قسم کے کام کرتے ہوئے شرعی لحاظ سے وہ یہ بھی گمان

نہیں کرسکتی کہ ان سب حضرات کی فرمائشیں پوری کرنا، چولہا جھونکنا اور برتن دھوتے رہنا ''ثواب'' اور ''نیکی'' کا کام ہے۔

جب اختیار اپنا ہوتا ہے تو عورت کھانے پکانے کا کام اپنی فراغت یا ضرورت دیکھ کر ہلکا بھی کر لیتی ہے یا وقت آگے پیچھے بھی کر لیتی ہے، یا وہ بازار سے بھی منگوا سکتی ہے۔ بہت سی خواتین ایسی ہیں کہ مشترکہ رہائش اور کھانے پکانے میں لگے رہنے کی وجہ سے وہ بہت سے آخرت میں کام آنے والے کام کرنے سے پیچھے رہ جاتی ہیں مثلاً ترجمہِ قرآن حکیم پڑھنا، درس سننا، بچوں کی دینی تربیت کرنا، اپنے ذاتی مہمان کی مہمان نوازی کرنا، کسی کی عیادت کرنا، کسی معذور اور بے سہارا کے کام آنا وغیرہ۔

زیادہ کام، غلط تقسیمِ کار:

گھر میں جتنے کم افراد ہوں، کام کم ہوتے ہیں۔ گھر کی باگ ڈور جس ہاتھ میں ہے وہ اپنی مرضی سے، یا اپنی سلیقہ مندی سے کاموں کو مزید ہلکا کر سکتا ہے اگر گھر کا سرپرست سمجھ دار ہو اور اسے یہ احساس ہو کہ کام بڑھنے نہ پائیں وہ گھر کے کام تمام افراد میں بانٹ دیتا ہے لیکن پھر بھی صحیح تقسیم ناممکن ہوتی ہے، اکثر افراد یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے ذمے جو کام لگایا گیا ہے وہ زیادہ مشقت طلب ہے۔

☆ انسانی فطرت یہ بھی ہے کہ جو کام ذاتی دل چسپی یا ذاتی ضرورت سے متعلق ہو

وہ تو فوراً کر لینے کو جی چاہتا ہے لیکن دوسروں کا کام کرنے میں سستی آڑے جاتی ہے نتیجہ یہ کہ باہم بدگمانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

★ بعض گھروں میں جو افراد کمزور اور دب کے رہنے والے ہوتے ہیں وہ سارا دن کام میں جتے رہتے ہیں اور جو افراد دست یا فارغ رہنے کے عادی ہوتے ہیں وہ مزید فارغ رہنے کے عادی بنتے جاتے ہیں۔

★ جو شخص کام نہیں کرتا اس پر کام کرنے والوں کو غصہ آتا ہے۔

★ بعض خواتین مردوں کے سامنے خوب کام کرتی ہیں تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ یہی سارے کام کرتی ہے اور جب مرد موجود نہ ہوں تو آرام کرتی ہیں۔

★ کام سے بچنے کے لیے بعض افراد مصنوعی بیماریوں کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ جب کہ کمزور افراد بیمار ہونے کے باوجود کام میں جتے رہتے ہیں۔

★ مردان عورتوں پر بھی حکم چلاتے ہیں جن پر انہیں شرعاً حکم نہیں چلانا چاہیے۔ مثلاً دیور کا بھابھی سے کہہ کر کام کروانا۔

غیر فطری محبت کے تقاضے:

باہم محبت یا تو خونی رشتے کی وجہ سے ہوتی ہے یا پھر مزاج کے ہم آہنگ ہونے یا نظریات و مسلک کے ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے لیکن میاں بیوی کی محبت کا سبب صنفی کشش ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی طرف ہزار

اختلافات کے باوجود کھنچے چلے آتے ہیں اور وہ زندگی بھر ایک دوسرے سے نباہ لیتے ہیں لیکن دیگر تمام افراد ایک ساتھ ایک گھر میں مل کر نباہ نہیں کر سکتے۔

مشترکہ رہائش مختلف مزاج اور خاندانوں کے افراد کو باہم جڑے رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ دو بہوؤں کا، ساس اور بہو کا، نند اور بھابھی کا، چچی اور اس کے دیور کے بچوں کا، ممانی اور اس کی نند کے بچوں کا، سسر اور بہو کا آپس میں کوئی بھی ایسا خونی رشتہ نہیں جو انہیں محبت کی ٹھنڈی ہوا فراہم کرے۔ وہ جلد ایک دوسرے سے اکتا جاتے ہیں۔ اس غیر فطری محبت کو ہر مشترکہ رہائش میں جبراً نباہنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔ نیز اس نباہ میں اللہ کے بہت سے احکام کی نافرمانی بھی کرنا پڑتی ہے۔

میکے رہنے کی خواہش:

مشترکہ رہائش کی صورت بہوئیں یہ کوشش کرتی ہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ میکے رہیں کیونکہ سسرال میں ان کی ساس، نندوں اور دیورانیوں جٹھانیوں کے ساتھ بنتی نہیں۔ نیز وہ یہ سمجھتی ہیں کہ ان سے سسرال میں زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ یا یہ کہ سسرال میں انہیں کھانے پینے کی سہولت اور آزادی نہیں۔

یہ سوچ اور رویّہ ہے بھی فطری، جس عورت نے شوہر کے پاس جا کر بھی عملاً شوہر کے ماں باپ اور بہن بھائیوں کے پاس رہنا اور ان کے کہنے کے مطابق یا

ان کی پسند کے مطابق کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا ہے وہ میکے میں اپنے ماں باپ کے پاس کیوں نہ رہے جو اس کے خونی رشتہ دار ہیں۔ اس کے ہمدرد ہیں اور اس سے اس کے شوہر اور سسرال والوں کی برائیاں سننے کے لیے کان کھلے رکھتے ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ ہر میکہ یا سسرال ایسا نہیں ہوتا اور نہ ہی مشترکہ رہائش کی ہر بہو میکے جا کر رہتی ہے لیکن یہ بات تو حقیقت ہے کہ وہ سسرال جا کر بھی خاوند کے گھر نہیں بلکہ سسرالی گھر میں رہتی ہیں۔

خود فریبی:

☆ گھر پر اکثر ساسوں کا حکم چلتا ہے، بعض گھروں میں ساس ریٹائرڈ ہو چکی ہوتی اور حکمرانی کسی بہو کے ہاتھ میں ہوتی ہے، سمجھ دار گھرانے بہت کم ہوتے ہیں جہاں بوڑھی ساس کی خدمت اور احترام کیا جاتا ہے ورنہ بہو صاحبہ ساس کو ایک کونے یا ایک کمرے تک محدود کر دیتی ہیں۔

☆ جیٹھ کہتا ہے ''میرا گھر''...... بہو سے کہا جاتا ہے ''یہ تمہارا اپنا گھر ہے''۔ ساس کہتی ہے ''میرا گھر''۔ پوتے کہتے ہیں ''ہمارا گھر''...... نند کہتی ہے ''میرا گھر''۔ کسی بہو کے میکے والے آئیں تو کہتے ہیں ''ہم اپنی بیٹی کے گھر جا رہے ہیں۔'' بہو کی بھانجی کہتی ہے ''میری خالہ کا گھر۔'' ساس کے بھائی کہتے ہیں ''ہماری بہن کا گھر''۔ ساس کے بھتیجے کہتے ہیں ''ہماری پھوپھو کا گھر۔''

جب کہ عملاً یہ صرف ان کا گھر ہے جن کا اس گھر پر حکم چلتا ہے، باقی سب بے گھر ہیں اور اپنے آپ کو فریب اور دھوکہ دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی فریب دیتے ہیں۔

☆ اگر یہ واقعتاً بہو کا ہے تو اسے اپنی مرضی کا نظام الاوقات اور معمولات نافذ کرنے دیجیے

☆ اگر یہ گھر ساس کا ہے جس پر عمل داری بہو کی ہے تو ساس کو اپنا طریق کار نافذ کرنے دیجیے۔

☆ اگر یہ گھر دیورانی کا ہے اور عمل داری جٹھانی کی ہے تو جٹھانی دیورانی کے سپرد گھر کی عمل داری کیوں نہیں کرتی؟

ایک بناوٹی دعویٰ:

ہر مشترکہ رہائش کا سربراہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ:

☆ اس نے باقی تمام افراد کو آزادی دے رکھی ہے

☆ کبھی کسی کام سے منع نہیں کیا

☆ جو چاہیں خرچ کریں

☆ جب چاہیں سوئیں جاگیں

☆ جہاں چاہیں آئیں جائیں

☆ فلاں فلاں کے رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں کبھی فرق نہیں کیا

☆ اپنے بچوں کی جیسے چاہیں تربیت کریں

☆ مرضی کا اوڑھتے پہنتے ہیں۔

☆ بیماری میں دھیان رکھتے ہیں اور علاج میں کوئی کمی نہیں کی

☆ ان کے آرام کا خیال رکھتے ہیں اور اپنی صحت اور خوراک اور آرام کا ہم نے کبھی نہیں سوچا

☆ کبھی زیادہ کام نہیں کروایا

☆ سب میں برابری کرتے ہیں۔

لیکن ان سب دعوؤں کو اسی گھر کے دوسرے افراد تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

دوسروں کا بوجھ اپنے سر:

رسول اللہ ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو تاکید کی کہ اے ابوذر! میں تمہیں کمزور دیکھتا ہوں اور میں تیرے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں اس لیے تیرے لیے میری یہ نصیحت ہے کہ دو لوگوں پر بھی حاکم نہ بننا اور یتیم کے مال کا نگران نہ بننا۔ (مسلم: ۱۸۸۶)

اس حدیث کی روشنی میں جن افراد کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ڈال دی ہے

اسے تو پورا کریں لیکن از خود ذمہ داری اپنے اوپر ڈال کر اپنی کمر خود دہرا کرنے کے مترادف ہے۔ جب اللہ نے بہو کے نان نفقے، اور پوتے پوتیوں کی تعلیم وتربیت کا بوجھ نہیں ڈالا تو پھر کیا ضرورت ہے اُنؑ چاہے بوجھ اٹھانے کی۔

والدین پر اولاد کی ذمہ داری ان کے بالغ ہونے تک ہے، نکاح کرنے کے بعد وہ اولاد کی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگی ہلکی پھلکی ہو جاتی ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فلاں بچوں کی شادیاں کر کے فارغ ہو چکے ہیں ۔مشترکہ رہائش میں والدین صرف اولاد ہی کی نہیں بلکہ ان کی بیویوں، ان کے شوہروں، اور ان کے بچوں کی ذمہ داری بھی اپنے اوپر لے لیتے ہیں، اللہ نے تو بڑھاپے میں ان سے بوجھ اتارا تھا لیکن وہ کئی گنا زائد بوجھ اٹھا لیتے ہیں۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی ہے، طاقت اور حوصلہ کم ہوتا جاتا ہے لیکن مشترکہ رہائش میں ذمہ داریاں آئے دن بڑھتی جاتی ہیں، نتیجہ یہ کہ وہ جھنجھلا اٹھتے ہیں، اور اولاد کو بلاوجہ بھی ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہتے ہیں۔ اگر بچوں کو الگ کر دیں تو والدین تنہا ہونے (کم افراد) کی صورت بڑے سکون سے زندگی گزاریں، چند کپڑے، سادہ خوراک، گھر کے جھمیلے اور کام بھی کم ...... غرض بڑھاپا بڑے سکون میں رہتا ہے۔ کچھ وقت کے لیے بچے آ گئے تو گہما گہمی ہو گئی چلے گئے تو سکون سے لیٹے، بیٹھے، آرام کیا۔ یک سوئی کے ساتھ نماز پڑھی، تہجد اور اشراق پڑھی، کچھ تلاوت کی، کچھ مطالعہ کیا، ذکر

اذکار کیے، محلے کے بچوں کو یا اپنے پوتے پوتیوں کو سبق پڑھا دیا۔ اگر ضرورت ہوئی اور کر سکے تو کسی بہو کا کوئی کام کر دیا ورنہ اللہ اللہ خیر سلاً

رشتہ داروں کے حقوق کا خیال، عبادت، تعزیت، جنازہ وغیرہ میں شرکت کر کے ثواب حاصل کیا۔ نہ پکانے کی فکر نہ گوندھنے کا تردّد۔ جیسا ملا کھا لیا جو ملا پہن لیا۔ شرعی لحاظ سے کسی میں کوئی کوتاہی دیکھی تو اسے کبھی پیار و محبت اور کبھی ڈانٹ ڈپٹ سے توجہ دلائی، جوانی گزر گئی بڑھاپا آ گیا، اب دنیا سے دل لگانے کی بجائے آخرت سے دل لگانے کا وقت ہے، نامعلوم کب کوچ نقارہ بج اٹھے۔ فکرِ آخرت پیدا کرنے کے لیے درس و وعظ میں شرکت کی، نماز کے لیے مسجد میں جلدی پہنچے، دیر سے واپس آئے کہ جس شخص کا دل مسجد میں اٹکا رہے وہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے تلے ہوگا۔ بچے آئے تو انہیں پاس بٹھایا، اچھی اچھی باتیں بتائیں اور سبق آموز واقعات سنائے، ان سے کچھ سنا کچھ خود سنایا۔ بچوں کو انعام کے طور پر کچھ کھلا پلا دیا۔ بچے بھی خوش بچوں کے ابا اماں بھی خوش اور بچوں کا خالق بھی ان شاء اللہ خوش ہی ہوگا۔

عمر رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جنہوں نے بعض امور کے بارے میں سوچا تو اللہ نے اسی سوچ کے مطابق حکم نازل فرما دیا، وہ اس حق میں بھی نہیں تھے کہ قریبی رشتہ دار اپنے گھر قریب قریب بنائیں۔ انہوں نے گورنر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا

"رشتہ داروں کو حکم دو کہ وہ اپنے گھر ایک دوسرے سے دور بنائیں، ایک دوسرے کو ملنے کے لیے جایا کریں، گھر قریب بنا کر ایک دوسرے کے پڑوس نہ بنیں۔"

(العقد الفرید لابن عبد ربہ)

آپ رشتہ داروں کے بچوں کو بھی مل کر کھیلنے سے منع کرتے اور فرماتے کہ تم مل کر کھیلو گے تو باہم لڑ پڑو گے اس طرح قطع رحمی ہو گی۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹوں سے کہتے جب صبح ہو تو تم علیحدہ علیحدہ ہو جایا کرو اور کسی گھر میں اکٹھے نہ ہوا کرو کیونکہ مجھے تم پر یہ اندیشہ ہے کہ کہیں باہم قطع تعلقی نہ کر دیا تمہارے درمیان کوئی شر پیدا نہ ہو۔

(الادب المفرد: ۴۱۵)

عمر رضی اللہ عنہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ جب صاحب اختیار بااردہ، باشعور انسان اکٹھے ہوتے ہیں تو ان میں جلد ہی ایک دوسرے سے اکتاہٹ اور بیزاری پیدا ہو جاتی ہے۔ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے دیر دیر سے ملنا باہم محبت اور اخلاص کا سبب بنتا ہے، جب کہ اکٹھا رہنے یا بلاضرورت روز روز ملنے سے ایک دوسرے کی خامیاں نظر آنے لگتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جو شخص روز ملتا ہو ہم اس کے ملنے پر اس قدر مسرور نہیں ہوتے جتنا کبھی کبھار ملنے والے دوست کی ملاقات پر خوش ہوتے ہیں، کبھی کبھار ملنے والے عزیز کا استقبال، خاطر و مدارات اور جذبات کا انداز ہی الگ تھلگ ہوتا

ہے۔ایک شاعر نے کہا ہے ؎

قدر کھو دیتا ہے روز آنا جانا

یا بقول مولٰنا الطاف حسین حالی ؎

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ

مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ

گو بعض صورتوں میں ہم بعض لوگوں سے روز روز بھی ملتے ہیں لیکن اگر ملنے کا مقصد کچھ اور ہو تو پھر اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی عموماً ملاقات کے موقع مندرجہ ذیل لوگوں میں روزانہ آتے ہیں:

☆ کاروبار، تعلیم ملازمت کے سلسلے میں ملاقات، اس میں توجہ اپنے کام کی طرف ہوتی ہے اور مقصدِ ملاقات بھی اپنا کام ہوتا ہے، اس لیے ایک دوسرے سے اکتاہٹ یا بیزاری پیدا نہیں ہوتی اور اگر ایسا ہو بھی جائے تو ہم اسے نباہتے ہیں اور جیسے ہی کام ختم ہوتا ہے میل ملاقات خود ہی ختم ہو جاتی ہے۔

☆ کمزور اور بوڑھے والدین کے پاس اولاد نے اکثر رہنا ہوتا ہے، اس میں اکتاہٹ اور بیزاری آ سکتی ہے بلکہ آ جاتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا:

وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًاوَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا. (اسراء:۲۳،۲۴)

''انہیں اف تک بھی نہ کہنا اور نہ انہیں ڈانٹنا اور ان سے اچھی بات کہنا اور اپنے بازو نرمی سے ان کے لیے جھکا دینا اور ان کے حق میں دعا کر، اے رب! ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا۔''

گویا ہمارا اپنے اوپر جبر کر کے والدین کی خدمت کرنا اور ان کے رویّے سے اکتاہٹ کا اظہار نہ کرنا ہی بندگی اور اطاعتِ ربانی کا مظہر ہے۔

بچے جب تک چھوٹے ہوں اور انہیں والدین کی توجہ کی ضرورت ہو تب تک اللہ تعالیٰ نے والدین کے اندر ان کے لیے شفقت، نرمی، محبت، معاف کر دینے اور غلطیاں نظر انداز کر دینے کے جذبات اتنے زیادہ رکھے ہیں کہ وہ ان کا ہر رویہ سہتے اور پرورش کرتے ہیں۔ یہی بچے جب بالغ ہو جاتے ہیں تو والدین کا جی چاہتا ہے کہ اب جلد ان کی شادیاں ہوں اور اپنے اپنے گھروں میں جائیں، اور اگر جلد شادی نہ ہو یا ہمہ وقتی اکٹھے رہنا پڑے تو مختلف مزاجوں کی وجہ سے برہمی کی کہیں نہ کہیں دراڑیں پڑنے لگتی ہیں۔ گو خونی رشتہ ہونے کی وجہ سے یا باہم ادب و احترام کی وجہ سے ایک دوسرے سے علی الاعلان اکتاہٹ کا اظہار نہ بھی کریں لیکن جتنی بھی اس دور میں والدین کو اولاد سے یا اولاد کو والدین سے شکایات ہوتی ہیں اس کا سبب صرف یہی ہے کہ اصولاً انہیں اب الگ الگ اپنا اپنا گھر آباد کر کے دینا چاہیے تھا۔

☆ میاں بیوی کا تعلق سب سے زیادہ ہمہ وقتی ہوتا ہے جو مرتے دم تک ساتھ چلتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں طبعی کشش رکھ دی نیز ان میں قربت کی وہ وجوہات اور انداز موجود ہیں جن کی کسی اور رشتے میں ایک رمق تک نہیں پائی جاتی، اس رشتے میں جس قدر رفاقت اور قربت نیز عرصہ طویل ہوتا جاتا ہے، کشش اور محبت میں پختگی آتی جاتی ہے، یہاں تک کہ دونوں ایک دوسرے کے جسم، دل اور عادات کا حصہ بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان میں سے کوئی فوت ہو جائے تو دوسرا بھی زندہ درگور ہو جاتا ہے، اس کی طبیعت مرجھا جاتی ہے اور اس کا جی چاہتا ہے کہ وہ بھی جلد از جلد اب اس دنیا سے چلا جائے۔

اگر والدین اولاد سے، رشتہ دار ایک دوسرے سے دور دور رہتے ہوں تو خونی محبت قائم رہتی ہے اور جب ایک دوسرے کے لیے سفر کی صعوبت اٹھا کر، کچھ تکلف اور تردّد کر کے ایک دوسرے سے ملنے کا، عیادت کا، تعزیت کا، دعوت کا، مبارک باد دینے کا، یا کوئی اور حاجت پوری کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، دکھ سکھ میں جا کر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے ہیں تو اس پر رب کریم یہ اجر عطا کرتا ہے کہ شکایتیں کم ہوتی ہیں اور محبتیں بڑھتی ہیں۔ باہم چغلی، غیبت، غصہ، کینہ، حسد، بخل کی نوبت یا تو آتی ہی نہیں اور اگر آ بھی جائے تو اس کو سر اٹھانے کا موقع نہیں ملتا۔

جو شخص دور سے اٹھ کر اپنے رشتہ دار ماں باپ یا بیٹے بیٹوں کی محبت، دل جوئی یا

کسی اور ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جاتا ہے، اس کی وہ عزیز قدر افزائی کرتا ہے، اس کے اس رویے پر خوش ہوتا ہے لیکن جو بیٹے بیٹیاں، بہن بھائی، ماں باپ اور اولاد اکٹھے رہتے ہیں، عیادت، تعزیت، مبارک باد، خوشی میں شرکت، غمی میں ہمدردی کریں یا نہ کریں باہم تشکر کے وہ جذبات دونوں طرف پیدا نہیں ہوتے جو دور ہونے کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ سارا سارا دن ایک دوسرے کا کام کرنے اور اخراجات برداشت کرنے کے باوجود کوئی کسی کا مشترکہ رہائش میں احسان مند نہیں ہوتا نہ شکریہ ادا کرتا ہے، الٹا نیت پر شک کیا جاتا ہے اور جو کام کیا اس میں کیڑے نکالے جاتے ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ انسانی نفسیات کے ان پہلوؤں سے اچھی طرح واقف تھے لہٰذا انہوں نے بحیثیت سربراہ بھی لوگوں کو یہی ترغیب دی کہ وہ قریب قریب گھر نہ بنایا کریں۔ جو رشتہ دار قریب قریب رہتے ہیں۔ وہ سب اس کی خرابیوں سے یقیناً واقف ہیں اور اکثر کہتے ہیں کہ کاش ہمارے گھر دور دور ہوتے۔

ہندوانہ طرزِ معاشرت جس میں بھائی ہمیشہ اکٹھے رہتے ہیں، ایک جتھا بن کر، اپنی زمینوں اور مکانوں اور اپنے خاندان کے زیادہ بیٹوں اور افرادی قوت پر فخر کرتے ہیں لیکن اسلام تو ان سب پر تیشہ چلاتا ہے وہ مال، بیٹے، کاروبار پر فخر کرنے اور جائیداد اور دولت کو ایک ہی خاندان میں مجتمع رکھنے کو جہالت اور

جاہلیت قرار دیتا ہے۔ یہی جاہلیت کے وہ بت ہیں جنہیں اسلام پاش پاش کرنے کے لیے آیا تھا۔

اگر شوہر بیوی کا نفقہ برداشت کرنے کی بجائے اپنے باپ پر یہ ذمہ داری بغیر کسی عذر کے ڈال دے تو وہ سسر ہے شوہر نہیں، بوجھ شوہر کا تھا وہ اللہ کے ہاں جواب دہ ہے۔ اگر ماں مرد کے وہ کام بجالائے جنہیں الگ گھر کی صورت میں بیوی کو انجام دینا تھا اللہ کے ہاں جواب دہ بیوی ہے، ماں بہنوں سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا، مشترکہ رہائش کی مصیبت یہ ہے کہ ہر شخص پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں انہیں کوئی اور بددلی اور بیزاری سے اور نیز ناقص اور بھونڈے انداز میں پورا کرتا ہے، اس طرح گھر کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ پر حقوق تلف ہونے پر نالاں، برہم اور شکایات سے بھرا رہتا ہے۔

❀❀❀

الگ رہائش مہیا نہ کرنے کے چند عذر

وسائل کی کمی:

جب ہمارے معاشرے میں کسی سے اس موضوع پر بات کی جائے تو لوگ فوراً عذر پیش کرتے ہیں کہ غریب لوگوں کے لیے ہر بچے کو الگ رہائش دینا مشکل ہے۔ آیئے ذرا اس عذر کی حقیقت دیکھیں۔ دورِ حاضر میں شادی پر مندرجہ ذیل قسم سے خرچ کیے جاتے ہیں۔

منگنی پہ کم از کم خرچ	50000 ہزار
جہیز پہ کم از کم خرچ	300000
بری پہ کم از م کم خرچ	100000
زیور پہ کم از کم خرچ	100000
لڑکی والوں کے گھر برات کا کھانا	100000
ولیمہ	100000
مائیاں، مہندی	50000
بینڈ باجے وغیرہ	30000

ہر مکلاوے کا خرچ	40000=4×10000
عیداور شب براتیں روٹیاں وغیرہ	10000
بیوٹی پارلر دلہا کا	150000
بیوٹی پارلر دلہن کا	25000
منگنی، رخصتی ولیمے پر	60000
مسہری سجانے کا خرچ	15000
بدو غیرہ	15000
دیگر اخراجات	25000
مہر	30000
میزان	1174000

ان اخراجات میں سے سوائے مہر اور ولیمے کے کوئی خرچ بھی ایسا نہیں جسے شریعت نے لازمی قرار دیا ہو بلکہ بعض کام بدترین گناہ ہیں، مہر اور ولیمے کے خرچ کو بھی اپنی حیثیت دیکھ کر مزید کم کیا جا سکتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ اگر ہم شریعت کے "لازمی اخراجات" کی فہرست بنائیں تو نقشہ کچھ یوں بنے گا:

مہر	5000
ولیمہ	10000

دو مرلہ زمین کی خریداری	600000
چاردیواری اور ایک معمولی کمرہ	500000
گھریلو ضرورت کی چند چیزیں	100000
میزان	1215000

ان میں سے بھی گھریلو ضرورت کی چیزیں لڑکے اور لڑکی کے والدین یا رشتہ دار بسہولت اپنے گھر سے نکال سکتے ہیں۔ ویسے بھی جیسے جیسے کسی چیز کی ضرورت پڑے وہ ساتھ ساتھ بھی بنائی جا سکتی ہے۔

دراصل انسان جب اللہ کی شریعت کے مطابق کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس میں توفیق اور مدد اللہ تبارک وتعالیٰ خود عطا کرتا ہے اور جب انسان دنیا، دکھاوے، برادری کے لیے کچھ کرتا ہے، اللہ کے حکم کو پس پشت ڈال دیتا ہے تو خیر و برکت اس سے روٹھ جاتی ہے اور جن لوگوں کے لیے کرتا ہے وہ لوگ بھی خوش نہیں ہوتے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تین لوگوں کی امداد کو اللہ نے اپنے آپ پر ضروری اور حق ٹھہرایا ہے:

① مکاتب جس کا ارادہ بدل کتابت ادا کرنے کا ہو۔

② نکاح کرنے والا اس ارادے سے کہ گناہ سے بچے اور پاک دامن رہے۔

③ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ (ترمذی: ۱۶۵۵۔ ابن ماجہ: ۲۵۱۸)

جن ماں باپ کے پاس دس مرلے کا مکان ہے اگر وہ اس کی تعمیر انگریزی طرزِ تعمیر کی بجائے مستقبل میں بچوں کی شادیوں کو ذہن میں رکھ کر بنائیں تو وہ اتنی جگہ پر کم از کم چار گھر ڈبل سٹوری ہی سہی بنا سکتے ہیں۔

جس طرح ہمارے معاشرے میں بچی کے پیدا ہوتے ہی مائیں ہندوانہ رسوم پوری کرنے کے لیے جہیز بنانا شروع کر دیتی ہیں اس کی بجائے انہیں چاہیے کہ وہ نکاح کے بعد بچوں کے لیے الگ رہائش اور ضروریات کی فکر کریں۔

بچوں کی ناتجربہ کاری:

مائیں یہ کہتی ہیں کہ بچے ناتجربہ کار ہوتے ہیں اس لیے انہیں تنہا زندگی گزارنے کے لیے چھوڑ دینا ان پر ظلم ہے، بقول ان کے بیٹا ابھی بچہ ہے اور لڑکی ابھی بچی ہے، دونوں کو ساس ماں اور سسر ابا کی نگرانی کی سخت ضرورت ہے ورنہ وہ کیسے اپنا گھر چلا سکیں گے اور کیسے کھانے پکانے، رشتہ داروں اور دیگر کاموں کا بوجھ اٹھا سکیں گے۔

دراصل ماں کی نظر میں بچے ہمیشہ بچے ہی رہتے ہیں، وہ کبھی بھی یہ تسلیم نہیں کرتیں کہ گھر چلانے کے لحاظ سے ان کے بچے سمجھ دار ہو چکے ہیں۔ وہ بہو کے حق میں یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتیں کہ وہ گھر چلانے کی اہل ہے۔ جب کہ ماں کے لاشعور میں یہ بات ہوتی ہے کہ جس بچے کو بائیس سال یا پچیس سال تک

خود مشورے دے کر چلنا سکھاتی رہی اب اسے ایک اور عورت کے حوالے کر دے، ماں کی انا یہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتی۔

سمجھ دار مائیں بچوں کو الگ زندگی گزارنے اور اپنے مسائل کو خود حل کرنے کے لیے الگ کر دیتی ہیں تاکہ وہ اپنے تجربات سے گھر چلانا سیکھ جائیں۔ جانوروں کو دیکھیے، جب ان کا بچہ اڑنے، چگنے اور اپنی حفاظت کے قابل ہو جاتا ہے تو وہ اسے زندگی گزارنے کے لیے تنہا چھوڑ دیتے ہیں۔ نکاح کرتے ہی بچے کو الگ کر دینا اس کی خود اعتمادی اور تنہا پرواز کرنے کے لیے ضروری ہے۔ البتہ جب کبھی ان سے غلطی ہو جائے تو ان کی اصلاح سمجھ داری سے اس طرح کریں کہ انہیں یہ بھی محسوس نہ ہو کہ ماں ان پر حکم چلا رہی ہے یا انہیں بے وقوف سمجھ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بالغ بچے کے لیے فرمایا:

اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ.

(النساء:٦)

''اور یتیموں کو (کام میں مصروف رکھ کر) آزماتے رہو حتٰی کہ نکاح کی عمر تک پہنچ جائیں پھر اگر ان میں سوجھ بوجھ دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔''

اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ جو بچہ بالغ ہو جاتا ہے وہ بلوغت کے ساتھ یا کچھ سالوں بعد اتنا باشعور ہو جاتا ہے کہ وہ بیوی بچے اور گھر بار کو سنبھال سکے، اگر ایسا نہ

ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس پر گھر داری کا بوجھ نہ ڈالتے جو بقول ماں کے اس کی سمجھ بوجھ سے بڑھ کر ہے۔ جب کہ اللہ نے فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. (البقرۃ:۲۸۶)

''اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف میں نہیں ڈالتا۔''

کیا ماں کا خیال درست ہے یا خود خالقِ کائنات کا حکم؟

جو بچے ایک عرصہ تک والدین کے ساتھ رہتے ہیں ان کو بھی الگ ہونے کے بعد کچھ مشکلات معاشرتی لحاظ سے پیش آتی ہیں لیکن جو بچے نکاح کے ساتھ ہی زندگی کا آغاز الگ گھر سے کرتے ہیں انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آتی کیونکہ نئی زندگی میں نیا ساتھ ان کے لیے بھرپور خوشیاں لاتا ہے۔ ایک دوسرے کا احساس انہیں ذمہ داری ادا کرنے پر گرمائے رکھتا ہے یوں وہ جلد ذمہ دار ہو جاتے ہیں۔ جب کہ دیر سے الگ ہونے والے میاں بیوی زندگی کا سفر طے کرتے کرتے تھک چکے ہوتے ہیں نیز ان کو نئے گھر میں نئے ساتھ کی حرارت نہیں ملتی۔ ساتھ پرانا ہو چکا ہوتا ہے اور گھر نیا ملنے کے باوجود اب وہ امنگ اور جذبہ نہیں رہتا اور جب جوانی میں نیا گھر بسانے کا امنگ اور جذبہ تھا تب اس جذبے کو سلا دیا گیا۔

اکثر مائیں یہ کہتی ہیں کہ گھر میں اپنی مرضی سے رہتے، اپنی مرضی سے کھاتے پیتے ہیں یا مشترکہ رہائش میں رہنے والے افراد یہ دعویٰ کرتے ہیں لیکن غور کا مقام

یہ ہے کہ انسان جس انداز سے ماں باپ سے بات کرتا اور ان کے سامنے رہتا ہے بیوی سے بات کرنا یا اس سے بات کرنے کا یا رہنے سہنے کا انداز قطعی مختلف ہوتا ہے، جس انداز سے بھائی سے بات کی جاتی ہے، بھابھی سے اس انداز نہیں کی جا سکتی، انسان کا اپنی بہن سے جس انداز کا تعلق ہوتا ہے، اپنی چچی تائی سے ویسا تعلق نہیں ہوتا، لہٰذا ان سب کے ساتھ ہمہ وقت رہنے، ان سے بات کرنے، یا ان کے سامنے اٹھنے بیٹھنے میں انسان کو کچھ تکلف، ادب آداب اور رکھ رکھاؤ اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ صرف بیوی ہی ایک ایسا رشتہ ہے جہاں یہ سب چیزیں آڑے نہیں آتیں یا صرف آدمی کے اپنے ننھے منے بچے جو ابھی بہت سی باتوں سے ناواقف ہوتے ہیں۔

لہٰذا یہ سوچنا کہ مشترکہ رہائش میں انسان اپنے گھر کی طرح بے تکلف ہوتا ہے۔ درست نہیں۔

کم آمدن والوں کا سہارا:

مشترکہ رہائش کا فائدہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ بعض افراد کم کماتے ہیں مشترکہ رہائش کی وجہ سے ان کا خرچہ بھی چلتا رہتا ہے اگر الگ کر دیا جائے تو وہ اپنا خرچ کیسے برداشت کریں گے؟

یہ صرف خدشہ ہے جب کہ اصل بات یہ ہے کہ بعض افراد دست ہوتے ہیں، وہ

کمانے کے لیے کوشش ہی نہیں کرتے، انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اور ان کے بیوی بچوں کھانا کپڑا تو مل ہی جاتا ہے لہٰذا کام اور محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے، نتیجہ یہ کہ وہ مزید کاہل اور نکمے ہوتے جاتے ہیں۔ اگر انہیں مشترکہ رہائش کا چھاتا نہ ملتا تو وہ کب کے ذمہ دار، محنتی اور کماؤ بن چکے ہوتے۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَاءِكُمْ فَاِنْ كَانُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ.

”اور اپنوں میں سے بے نکاحوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہیں، اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے خوش حال کر دے گا اور اللہ بہت وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تمہیں جو رزق ملتا ہے وہ تمہارے ضعیفوں اور کمزوروں کی وجہ سے ہی ملتا ہے۔ (بخاری: ۲۸۹۶)

یعنی بیوی بچوں اور والدین کی وجہ سے ان کی کفالت کرنے والے مرد کی کمائی میں برکت پیدا ہوتی ہے اور ان بیوی بچوں کے حصے کا رزق بھی ان کی کفالت کرنے والے مرد کے ہاتھوں سے ہو کر ان تک پہنچتا ہے لیکن یہ برکت اور خوش

حالی تبھی حاصل ہوتی ہے جب انسان خلوص سے اللہ کے احکامات کے مطابق اپنی ذمہ داریاں پہچانے اور انہیں ادا کرنے کی کوشش کرے۔

مشترکہ رہائش میں بعض لوگوں کے نہ کمانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ سوچتے ہیں کہ جب کما کر بھی اپنی کمائی پر ہمارا تصرف نہیں ہوگا اور ہمارے بیوی بچوں کے کام نہیں آئے گی، بلکہ کما کر دوسروں کے ہاتھ پر ہی رکھنا ہے تو اس کی بجائے نہ کمانا ہی بہتر ہے۔ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کمانے کے باوجود روٹی وہی ملے گی جو مشترکہ دسترخوان پر رکھی جاتی ہے۔

چوتھے یہ کہ اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ ایک صاحب حیثیت بہن بھائی نادار بھائی کی مدد کرے اور یہ اسی صورت ہوگا جب رہائش الگ الگ ہوگی کیونکہ مشترکہ رہائش کی صورت یہ نادار کی مدد نہیں بلکہ جاہلی نظام کی جڑیں مضبوط کرنا اور اپنے نادار بھائی اور اس کے بیوی بچوں کے بہت سے حقوق تلف کر کے انہیں چند لقمے کھلا کر یہ احسان جتانا ہے کہ تم کماتے نہیں اور ہم تمہیں کھلاتے ہیں۔ نیز مشترکہ رہائش میں کماؤ بھائی یا باپ نہیں کھلاتا بلکہ وہ سربراہ اس نہ کمانے والے کو بھی کھلاتا پلاتا ہے جو گھر کے دوسرے افراد کو بھی کھلانے پلانے کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جو افراد نہیں کماتے ان کی حیثیت مشترکہ رہائش میں دوسرے درجے کے شہریوں کی سی ہوتی ہے، ان کے بچوں کی تعلیم، تربیت، لباس،

خوراک سب کمانے والے بچوں کی نسبت کم تر ہوتا ہے۔ کمانے والے افراد کو گھر کے اہم مشوروں میں بھی شامل نہیں کیا جاتا۔ نہ ہی اس کی بیوی کو وہ عزت دی جاتی ہے جو کمانے والے بیٹے کی بیوی کو عزت دی جاتی ہے۔ نکھٹو بھائی کی بیوی کی حیثیت بھی مشترکہ رہائش میں خادمہ کی سی ہوتی ہے۔

گھر کی چیزیں الگ بنانا مشکل ہے:

ایک عذر یہ بھی ہے کہ دورِ حاضر میں گھر کا الگ سامان بنانا بہت مہنگا اور مشکل کام ہے۔ یہ مسئلہ نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان نے حل کر دیا ہے:

''ابنِ آدم کے لیے ان چیزوں کے علاوہ کس چیز میں حق نہیں، تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا، بغیر سالن روٹی اور پانی، سر چھپانے کے لیے مکان۔''

(سنن ترمذی، ح:۲۳۴۱)

روٹی، کپڑا اور مکان ہر گھر کی بنیادی ضرورت صرف یہی تین چیزیں ہیں، رہے مہنگے قالین، قیمتی پردے، ہزاروں کا فرنیچر، ڈنر سیٹ، کھانا پکانے کے لیے اوون، بیٹریاں اور ڈیکوریشن پیس یہ سب ہماری نہ تو ضرورت ہیں نہ ہی اسلام ان کی ترغیب دیتا ہے بلکہ تاکید تو یہ ہے کہ

کن فی الدنیا کانک غریب اور عابر سبیل. (بخاری، کتاب الرقاق)

اگر اسلام کا عطا کردہ معیارِ زندگی پیشِ نظر رکھا جائے تو ہر شخص کے نکاح پر اسے الگ اشیائے ضرورت مہیا کرنا کچھ مشکل نہیں۔ اگر رشتہ دار اور احباب ہی ضرورت کی چیزیں دلہا دلہن کو ہدیہ کر دیں تو ضروریات پوری ہو جاتی ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ کسی پُر تکلف، یا آرائشی چیزوں کا تحفہ دینے کا ہی رواج بن چکا ہے۔ توا، پرات اور ہنڈیا کو تو تحفہ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے "اشیائے ضرورت اور اسلام" مشربہ علم وحکمت)

ماں باپ کی خدمت ممکن نہیں:

الگ رہائش کی صورت میں ماں باپ کے حوالے سے یہ سوال سامنے آتے ہیں:

(۱) الگ رہائش کی صورت ماں باپ کی خدمت کیسے ممکن ہے، جب کہ اس کی بہت تاکید آئی ہے۔

(۲) ماں باپ مجبور کریں کہ اکٹھے ہی رہنا ہے تو پھر ان کی اطاعت تو کرنا ہی چاہیے۔

(۳) ماں باپ اولاد کو پال پوس کر جوان کرتے ہیں اور قابل بناتے ہیں کیا اس کا یہی صلہ ہے کہ اولاد انہیں تنہا چھوڑ کر خود الگ جا بسے:

آیئے! ان پر بھی ذرا غور کریں۔

(ا) ضروری نہیں کہ جب لڑکے کی شادی کی جائے تو اس کے والدین بڑھاپے کی حالت میں ہوں۔ اگر بچے کی شادی اٹھارہ انیس سال میں بھی کی جائے تو والدین کی عمر چالیس بیالیس سال کے قریب ہوگی اس دور میں عام حالات میں والدین کی صحت اس قابل ہوتی ہے کہ وہ اپنے کام کاج خود کر سکیں لہٰذا لڑکے پر ان کی جسمانی خدمت کی ذمہ داری اس نوعیت کی نہیں رہتی جس نوعیت کی بیماری یا بڑھاپے کی صورت ہوتی ہے۔ اگر والدین واقعی کمزور اور بوڑھے ہوں تو گھر اس انداز کا بنایا جائے یا کرائے پر لیا جائے، جس کے دو حصے آسانی سے کیے جا سکتے ہوں، جیسے دو منزلہ مکان، یا دو حصوں پر مشتمل مکان...... ایک حصہ میں بیوی بچوں کی رہائش ہو اور دوسرے میں والدین کی، اس طرح بیٹا بہو آسانی سے والدین کی بھی خدمت اور نگہداشت کر سکیں گے اور بیوی کو بھی الگ مکان اور تنہائی میسر ہوگی۔

اس طرح جو رشتہ دار والدین کو ملنے آئیں گے وہ والدین ہی کے حصے میں آ کر ٹھہریں گے جیسے شوہر کے بھائی، بہنیں، بھتیجے، بھانجے وغیرہ۔ والدین کے حصے میں چولہا اور غسل خانہ کی سہولت بھی ضرور ہونا چاہیے تاکہ ضرورت پڑنے پر دوسرے حصے میں نہ جانا پڑے۔

بہو کھانا وغیرہ خود تیار کر کے دے لیکن ضرورت پڑنے پر گرم کرنے کا یا کوئی

ہلکی پھلکی چیز تیار کرنے کا سامان والدین کے حصے میں بھی موجود ہو۔

(۲) ماں باپ چاہے اکٹھے رہنے پر کتنا ہی مجبور کریں، شریعت عورت کے الگ گھر کا حق تسلیم کرتی ہے لہٰذا نکاح کے ساتھ ہی بیٹے بہو کو ایسا الگ گھر دیں جس میں چولہے اور غسل خانے کی سہولت بھی موجود ہو جس اللہ نے والدین کے حقوق بتائے اس نے بیوی کے حقوق بھی مقرر کیے ہیں لہٰذا اس میں کوئی تضاد نہیں۔
جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو یا کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہو وہاں کسی مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں۔ اگر مشترکہ رہائش میں دینی احکام پر عمل کرنا ممکن نہ ہو تو الگ رہنا بہتر ہے۔

(۳) ماں باپ اولاد کو پالتے پوستے ہیں، انہیں پڑھاتے لکھاتے ہیں، نکاح کرتے ہیں اولاد ان کو چھوڑ کر الگ گھر میں جا بسے یہ کیسی اطاعت ہے؟

غور کیجیے! ماں باپ بیٹی کو بھی پالتے پوستے لکھاتے پڑھاتے ہیں لیکن سب ماں باپ اسے اپنے گھر سے شوہر کے گھر بھیج دیتے ہیں، وہ نیا گھر بسانے کے لیے شریعت کے احکامات کی روشنی میں یہ جدائی گوارا کرتے ہیں۔ پھر بیٹے کو اپنے سے جدا کرنے پر اعتراض کیوں؟ بیٹے کا الگ گھر بسائیں، اسے اپنی بیوی بچوں کی طرف توجہ دینے دیں، تاکہ امتِ مسلمہ کے نونہالوں کی اچھی تربیت کر سکے۔ مجھے ایک خاتون کے یہ جملے خوب یاد ہیں جنہوں نے نکاح کے بعد اپنی بہو سے کہا تھا

کہ یہ بیٹا انتیس سال تک صرف میرا رہا اور اب یہ صرف تمہارا ہے۔

والدین کی خدمت کے کئی پہلو ہیں مثلاً معاشی، طبی اور نفسیاتی:

☆ معاشی خدمت: اولاد قریب ہو یا دور، الگ ہو یا ساتھ بقدرِ استطاعت معاشی خدمت کی جا سکتی ہے بشرطیکہ یہ احساس موجود رہے کہ والدین کی معاشی ضروریات کو ترجیح دینا ہے۔ بعض والدین اپنی ضروریات سے زائد کا مطالبہ کرتے ہیں یا غیر ضروری اشیاء رکھنا چاہتے ہیں یہ بچوں پر ناروا بوجھ ہے، بیٹے کی کمائی دیکھ کر مطالبے کی حد مقرر کرنا چاہیے نہ کہ اپنی بڑھتی ہوئی خواہشات دیکھ کر۔ جب کہ بعض بچے والدین کی معاشی ضروریات کا قطعی خیال نہیں رکھتے حالانکہ ماں باپ پر خوش دلی سے خرچ کرنے سے رزق میں برکت ہوتی ہیں۔ والدین کی دعائیں نصیب ہوتی ہیں۔

☆ طبی خدمت سے مراد والدین کی بیماری میں دیکھ بھال اور علاج کے اخراجات ہیں۔ حسبِ استطاعت والدین کے علاج دوا میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے اور والدین کو بھی چاہیے کہ کم بیماری کو زیادہ محسوس نہ کرائیں اور بار بار ڈاکٹروں کے ہاں جانے پر اصرار نہ کریں کہ یہ بچوں کے لیے ناروا تکلیف کا باعث بن جاتا ہے۔

بہر حال والدین کا مزاج جیسا بھی ہو اولاد کا کام تو خدمت اور ادب ملحوظ رکھنا ہی ہے اور انہیں چاہیے کہ صبر و تحمل سے ان کے مزاج کی سختی یا نزاکت کا سامنا

کریں کہ یہی اہلِ ایمان کو والدین کے متعلق تاکید ہے۔

☆ نفسیاتی پہلو: والدین کی بڑھتی ہوئی عمر کی وجہ سے ان کی طاقت، جوش، امنگیں اور صحت سب کچھ رُو بہ زوال ہوتا ہے، ایسے میں ان کو سنبھالا دینا، دل جوئی کرنا، انہیں آرام پہنچانا، خواہشات کا احترام کرنا اولاد کے لیے ایک بہت بڑا امتحان ہے۔ لہٰذا ان کے جذبات کا خیال رکھنا چاہیے اور کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے ان کے دل کو ٹھیس پہنچے۔

ایک کہانی، بڑی پرانی:

مشترکہ نظام کی خرابیوں سے ہر عورت اور مرد واقف ہوتے ہیں بہوئیں ساس سسر کے ساتھ سخت تنگی میں ہوتی ہیں، بیٹے روز روز کی کھٹ پٹ سے تنگ آ جاتے ہیں لیکن جب وہ اپنے بیٹے کی شادی کرتے ہیں تو دوبارہ وہی کہانی دہرائی جاتی ہے کل کی مظلوم بہو...... ایک بار پھر اپنی بہو کو اپنے ساتھ رکھ کر مظلومیت میں جکڑ دیتی ہے، اس ساس کا جب بڑھاپا آتا ہے تو بہو اسے ایک کونے میں لگا دیتی ہے، وہ ساس جس کے سامنے کوئی سانس بھی نہیں لے سکتا تھا، اب اس کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا اور وہ گھٹ گھٹ کر زندگی کے دن پورے کر رہی ہوتی ہے۔ ''اپنے گھر پر اپنا راج'' اطمینان بھری زندگی گزارنے کا بہترین اصول ہے، کاش معاشرے کو اس کا احساس ہو جائے۔

اصلاحِ نفس سیٹ

- خطوطِ مسعود
- ٹی وی گھر میں کیوں؟
- اشیائے ضرورت کا اسلامی معیار
- خوابوں کی دنیا
- خطوطِ مریم
- غیر مسلموں کی مصنوعات اور ہم
- تصویر ایک فتنہ
- مکان ایک بنیادی ضرورت
- صدقہ کیوں اور کسے دیں؟
- رنگ اور رنگینیاں
- طاؤس ورباب
- ہمارا دسترخوان
- چند آیات کی تفسیر اور عمل صحابہؓ
- معمولی چیزوں کا لین دین
- علیم وخبیر کے نام خطوط
- کھانے اور پینے کے آداب
- نماز میں پڑھی جانے والی دعائیں
- مرض اور علاج احادیث کی روشنی میں
- بولتی سوچیں
- مشکوک اشیاء سے پرہیز
- والفجر
- وہ خوش قسمت کھانے جو نبی ﷺ نے کھائے
- جسمانی حرکات اور شائستگی